© rasailojaraid.com

بحث و نظر

اہلِ سنت کا تصورِ ''سنت''

(گزشتہ سے پیوستہ)

حافظ محمد زبیر

۱۔ اس مضمون کی سابقہ قسط میں یعنی سہ ماہی حکمت قرآن اپریل۔ جون ۲۰۰۸ء کے صفحہ ۵۰ پر موجود ایک عبارت ''لیکن اقامت دین کے فرض کی ادائیگی کے لیے سیرت کو بالتفصیل یا جزئی طور پر حجت قرار دینا سوائے غلو فی الدین اور شرعی نصوص کی خلاف ورزی کے اور کچھ نہیں ہے'' کے بارے میں یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ اس عبارت میں ''بالتفصیل'' اور ''جزئی'' کے الفاظ مترادف اور minutely کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی سیرتِ نبویؐ کے ہر ہر واقعے کو منہج کے لیے حجت اور لازم قرار دینا درست نہیں ہے' من جملہ سیرتِ نبویؐ سے رہنمائی لینا شرعاً مطلوب و درست ہے۔
۲۔ اگر کسی صاحب علم کو خیال ہو کہ مضمون کے مندرجات اہل سنت کے موقف کی صحیح عکاسی نہیں کرتے تو اصلاح کی غرض سے لکھے گئے مضامین کے لیے مجلّہ کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)

رسول اللہ ﷺ کے افعال

رسول اللہ ﷺ کے اقوال کی طرح آپؐ کے افعال بھی ہمارے لیے سنت اور مصدرِ تشریع ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین اُسوہ موجود ہے''۔

لیکن کیا آپ ﷺ کا ہر ہر فعل ہمارے لیے مصدر' ماخذ اور سنت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی اتباع لازمی یا کم از کم مستحب ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے صرف وہی افعال ہمارے لیے شریعت یا ایسی سنت (جس کی اتباع کرنی چاہیے) کا درجہ رکھتے ہیں جو کہ آپؐ سے بطور شریعت صادر ہوئے ہوں۔ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

السنة الفعلية: وهي ما فعله كأداء الصلاة بهيئاتها و أركانها۔ ومثل قضائها بشاهد واحد ويمين المدعي' ونحو ذلك۔ وأفعاله منها ما يكون مصدرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

للتشريع، ومنها مالا يكون (١٠٣)

''سنتِ فعلیہ سے مراد وہ عمل ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہو' جیسا کہ آپ ؐ نے نماز کو مختلف ارکان اور شکلوں کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اسی طرح آپ ؐ نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کیا ہے اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔ آپ ﷺ کے بعض افعال ہمارے لیے شریعت ہیں جبکہ بعض شریعت نہیں ہیں''۔

ڈاکٹر حمزہ الملیباری لکھتے ہیں:

السنة في الاصطلاح ما هو عن رسول الله ﷺ على وجه التشريع من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية من مبدأ بعثته إلى وفاته(١٠٤)

''اصطلاح میں سنت سے مراد ہر وہ قول یا فعل یا تقریر یا اکتسابی وصف ہے جو رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کی بعثت کے بعد سے لے کر وفات تک کے دورانیے میں بطورِ شریعت صادر ہوا ہو''۔

خود اس آیت میں بھی اس بات کا قرینہ موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ہر فعل ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔ آیت مبارکہ میں ﴿فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ ہیں' یعنی اللہ کے رسول ﷺ میں یا ان کے افعال میں یا ان کی زندگی میں یا ان کے طریقے میں تمہارے لیے اُسوہ ہے۔ عربی زبان میں 'فی' کا لفظ عموماً ظرفیت کا معنی دیتا ہے۔ بعض اوقات یہ ظرفیت حقیقی ہوتی ہے' مثلاً ﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ﴾ اور بعض اوقات مجازی ہوتی ہے' جیسا کہ ﴿فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ میں ہے۔ اگر آیت کا اسلوب یوں ہوتا کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لیے اُسوہ ہیں تو پھر یہ معنی مراد ہو سکتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے جمیع افعال میں اتباع مطلوب و مقصود ہے۔ امام ابن حزمؒ نے ''الاحکام'' میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اتباعِ رسول ﷺ کا معنی و مفہوم اور شرعی حکم

حال ہی میں یہ فلسفہ متعارف ہوا ہے جس کا ذکر ہم سابقہ قسط میں بھی کر چکے ہیں' کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہر ہر فعل کی پیروی اس اتباع میں شامل ہے جس کا قرآن میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے' لہٰذا اگر اللہ کے رسول ﷺ نے تہبند باندھا ہے تو ہمیں بھی تہبند باندھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے عمامہ باندھا' موزے پہنے' اونٹ' گھوڑے اور گدھے کی سواری کی' ثرید کھائی' سرمہ لگایا وغیرہ' تو ہمیں بھی یہ سب کام کرنے چاہئیں اور ان سب کو کرنا آپ ؐ کی اتباع اور باعث ثواب و بلندیٔ درجات ہے۔ یہ حضرات آپ ﷺ کے ہر ہر فعل کو سنت کا نام دیتے ہیں اور سنت کی پیروی میں اس حد تک غلو اختیار کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک زمین پر بیٹھنا سنت اور کرسی پر بیٹھنا خلافِ سنت ہے۔ اور چونکہ ان کے بقول ہر سنت طیب ہے اور ہر خلافِ سنت کام ان کے نزدیک خبیث ہے' لہٰذا کرسی پر بیٹھنا خباثت ہے۔ اسی طرح ان کے فلسفۂ سنت کی رو سے کراچی سے لاہور جانے کے لیے اونٹ کی سواری' گاڑی کی سواری سے افضل ہے۔ وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بھی مصر ہیں کہ ہاتھ سے کھانا سنت ہے اور چمچ سے کھانا خباثت ہے' عمامہ اور تہبند باندھنا ہی سنت' باعث ثواب اور بلندیٔ درجات کا سبب ہے' وغیر ذٰلک۔ ان میں سے بعض حضرات نے تو اِس درجہ غلو اختیار کیا کہ قرآن کی طباعت' پاروں اور رکوعوں کی تقسیم' قرآن کے اعراب وحرکات تک کو یہودی سازش قرار دیا ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کام نہ کیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ نقطہ نظر بوجوہ باطل افکار پر مشتمل ہے۔ اس کے قائلین اپنی جہالت کے باعث تلبیس ابلیس کا شکار ہیں اور ایک ایسی چیز کو دین قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ''دین'' قرار نہیں دیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ اہل بدعت ہیں اور سنت کا ایسا من گھڑت تصور پیش کر رہے ہیں جو اُمت مسلمہ کی چودہ سو سال کی تاریخ میں پیش نہیں ہوا۔ ہاں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص ان افعال کو رسول اللہ ﷺ سے محبت اور تعلق کے اظہار کی نیت سے ادا کرتا ہے تو ان شاء اللہ العزیز اس نیت وارادہ کے ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ ذیل میں ہم اس گروہ کے افکار کا ایک علمی اور تحقیقی جائزہ لے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ (آل عمران)

''(اے نبی ﷺ!) آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اتباع کے لفظ کا مادہ 'تبع' ہے۔ 'لسان العرب' میں ہے کہ معروف لغوی فراء نے اتباع کا معنی ''ان یسیر الرجل و أنت تسیر وراء ہ'' بیان کیا ہے۔ یعنی کوئی شخص چلے اور تم اس کے پیچھے چلو تو یہ اس کی اتباع ہے۔ پس اتباع کے لغوی معنی پیروی کرنے اور پیچھے چلنے کے ہیں۔

اس آیت کا سیاق وسباق یہ بتلا رہا ہے کہ کچھ لوگوں نے عہد نبوی میں اللہ سے محبت کا دعویٰ کیا تو اُن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جمہور مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ نجران کے اس عیسائی وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اللہ سے محبت کے دعوے دار تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی بات ماننے سے انکاری تھے۔ اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول کے بارے میں چار اقوال مروی ہیں' جن کا تذکرہ علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی تفسیر 'زاد المسیر' میں کیا ہے۔ یہ اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) یہ آیتِ مبارکہ ان مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اللہ سے محبت کے دعوے دار تھے' جیسا کہ قرآن نے آیت مبارکہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ﴾ (الزمر:۳) میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کے غیر کی عبادت بھی اللہ کے قرب کے حصول کے لیے کرتے تھے۔ یہ قول ضحاکؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ نجران کے اس عیسائی وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اللہ سے محبت کے دعوے دار تھے۔ یہ قول مفسرین کی ایک جماعت کا ہے۔ امام المفسرین ابن جریر طبریؒ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی یہی رائے ہے۔امام قرطبیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

(۳) مفسرین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ﴾ (المائدۃ:۱۸) کا دعویٰ کیا تھا۔امام رازیؒ' علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ' علامہ سمرقندیؒ اور امام بغویؒ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔بعض مفسرین نے دوسرے اور تیسرے دونوں اقوال کو اس آیت مبارکہ کا شان نزول قرار دیا ہے۔یعنی ان مفسرین کے نزدیک یہ آیت مبارکہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس رائے کے حاملین میں امام ابن عطیہؒ' امام خازنؒ اور امام ابوحیان الاندلسیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

(٤) ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت مبارکہ ایک ایسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اللہ سے محبت کی دعوے دار تھی۔یہ قوم کون تھی' اس کا تعین اس قول میں موجود نہیں ہے۔یہ رائے حضرت حسن بصریؒ کی ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ کو اس کے شانِ نزول سے خاص کرنے کی بجائے اسے عام رکھا ہے۔مثلاً امام ابن کثیرؒ اور امام نسفیؒ وغیرہ۔صحیح بات بھی یہی ہے کہ آیت اگرچہ اپنے نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن اس کا معنی عام ہے' جیسا کہ مفسرین کا قاعدہ ہے ''**العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**'' یعنی کسی آیت کی تفسیر میں شانِ نزول کے اعتبار کی بجائے اس آیت کے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا۔شانِ نزول سے کوئی آیت مبارکہ کسی فرد یا ایک جماعت کے ساتھ خاص تو نہیں ہو جاتی لیکن پھر بھی آیت کے معنی ومفہوم کو سمجھنے میں شانِ نزول کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اتباع کا لفظ قرآن میں معمولی فرق کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔قرآن میں یہ لفظ پیچھے چلنے اور پیروی کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاَسۡرِ بِاَھۡلِکَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّیۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَھُمۡ﴾ (الحجر:٦٥) اور: ﴿لَوۡ کَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡکَ﴾ (التوبۃ:٤٢) اور: ﴿ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡکُمۡ﴾ (الفتح:١٥) اور: ﴿قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰکُمۡ﴾ (آل عمران:١٦٧) اور: ﴿فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ ﴿۱۸﴾﴾ (القیٰمۃ)۔

عام طور پر اطاعت اور اتباع کا فرق بیان کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اطاعت حکم کی ہوتی ہے اور اتباع حکم کے بغیر ہوتی ہے' حالانکہ بعض اوقات اتباع کا لفظ قرآن میں کسی کا حکم ماننے اور اس حکم کی پیروی کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿فَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ﴾ (ھود:٩٧) اور ﴿وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ ﴿۵۹﴾﴾ (ھود) ہے۔ان آیات میں مصدر کا صیغہ 'امر' بمعنی اسم مفعول یعنی 'مامور' ہے اور مصدر کا اسم مفعول کے معنی میں استعمال قرآن میں عام ہے۔لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اتباع کا لفظ اس معنی میں عام ہے کہ اگر کسی کے حکم پر عمل کیا جائے تو یہ بھی اتباع ہے اور اگر کسی کے حکم کے بغیر اس کے نقشِ قدم پر چلا جائے تو یہ بھی اتباع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتباع کا یہ معنی تو لغت سے واضح ہے کہ کسی کے پیچھے چلنا' لیکن کیا اتباع کے معنی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جہاں کوئی دایاں پاؤں رکھے بعینہٖ اُس جگہ اُس کے پیچھے چلتے ہوئے دایاں پاؤں رکھا جائے اور جہاں کسی کا بایاں پاؤں زمین پر پڑے عین اسی جگہ اپنا بایاں پاؤں ہی رکھا جائے؟ اہل لغت میں سے کسی نے بھی اتباع کا یہ مفہوم بیان نہیں کیا ہے۔ قرآن میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے ہر ہر فعل میں آپؐ کی پیروی مراد نہیں ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾﴾ (الانفال)

''اے نبی (ﷺ!) اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بھی اور اہل ایمان میں سے جنہوں نے آپ کی اتباع کی' ان کے لیے بھی کفایت کرنے والا ہے''۔

اگر اتباع سے مراد یہ لی جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے جبلی افعال مثلاً آپؐ کا کھانا' پینا' اٹھنا اور بیٹھنا وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم تو آپ ﷺ کے جبلی افعال میں آپ کی پیروی نہیں کرتے تھے' تو کیا ان صحابہؓ کو اللہ کی ذات کفایت کرنے والی نہیں ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہر ہر فعل کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حج یا عمرہ کے دوران اگر کسی جگہ سے اللہ کے رسول ﷺ کا گزر ہوا ہوتا تھا تو وہ بھی اسی جگہ سے گزرنے کی کوشش کرتے تھے اور آپ ﷺ اگر کسی جگہ راستے میں قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تھے تو وہ بھی اسی جگہ قضائے حاجت کا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ باقی جلیل القدر صحابہؓ آپؐ کی اس درجے پیروی نہیں کرتے تھے۔ اگر تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا آپؐ کی پیروی میں حد درجے آگے بڑھ جانا اتباع کے مفہوم میں شامل ہے تو پھر ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ صحابہ کی اکثریت اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کرنے والی نہیں تھی اور نہ ہی اللہ کی محبوب تھی۔ کیونکہ تمام صحابہؓ آپؐ کے ہر ہر عمل میں آپؐ کی پیروی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾﴾ (الشُّعراء)

''اور (اے نبی ﷺ!) آپؐ اپنے دونوں بازو ان اہل ایمان کے لیے پست رکھیں جنہوں نے آپؐ کی اتباع کی''۔

اس آیت کے نزول کے بعد کیا رسول اللہ ﷺ کے بازو صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے پست رہے یا جمیع صحابہؓ کے لیے؟ جواب بالکل واضح ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ تمام صحابہؓ کے ساتھ نرمی اختیار کرتے تھے' جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اتباع سے مراد جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل ہے نہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا۔ کیونکہ اگر اتباع سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا طرزِ عمل لیا جائے تو پھر گویا جمہور صحابہؓ نے آپ ﷺ کی اتباع نہ کی اور آپؐ نے بھی (معاذ اللہ!) جمہور صحابہؓ کے ساتھ نرمی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روبیہ اختیار کر کے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

اگر اتباع سے جمیع افعال میں آپ ﷺ کی پیروی مراد لی جائے تو یہ اتباع کسی ایک صحابیؓ نے بھی نہیں کی ہے‘ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی بعض معاملات میں آپؐ کے بعض افعال کی خلاف ورزی مروی ہے۔ جیسا کہ ہم صحیح بخاری کی ایک روایت بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حج یا عمرہ کے موقع پر اپنی داڑھی اپنی مٹھی میں لے کر زائد بال کاٹ دیتے تھے‘ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ سے زندگی بھر ایسا ثابت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں حق اور باطل دونوں کی پیروی کے لیے اتباع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پہلی قسم کی مثالیں ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾(الانعام:۱۵۳) اور ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾(الانعام:۱۵۵) اور ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ﴾(یونس:۱۵) اور ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾(النحل:۱۲۳) اور ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾﴾(طٰہٰ) اور ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾(لقمٰن:۱۵) اور ﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾﴾(مریم) اور ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾(التوبۃ:۱۱۷) اور ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾(آل عمران:۶۸) اور ﴿فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾(آل عمران:۹۵) اور ﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾(آل عمران:۵۵) اور ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾﴾(الشعراء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان آیات میں اتباع کا لفظ سیدھے راستے کی پیروی‘ وحی الٰہی کی پیروی‘ نبیؐ کی پیروی‘ قرآن کی پیروی وغیرہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سیدھے راستے کی پیروی سے مراد دینِ اسلام کی پیروی یعنی اس پر عمل ہے اور قرآن کی پیروی سے مراد قرآن پر عمل کرنا ہے۔ قرآن میں بہت سے مقامات پر اتباع کا لفظ باطل خواہشات ونظریات اور شیطان کی پیروی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾(الاعراف:۱۷۶) اور ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾(المائدۃ:۴۸) اور ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾(الانعام:۱۵۰) اور ﴿وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾(مریم:۵۹) اور ﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا﴾(یونس:۳۶) اور ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾(الانعام:۱۱۶) اور ﴿وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾﴾(الحج) وغیرہ ہے۔

لہٰذا قرآن کے استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ کی اتباع سے مراد اپنی خواہش نفس و شیطان کے بالمقابل نبیؐ کی وحی الٰہی پر مبنی بات مانتے ہوئے اس کے پیچھے چلنا ہے‘ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو شیطان کی عبادت کے بالمقابل اپنی پیروی کی تبلیغ کی۔ اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو بچھڑے کی پرستش میں خواہش نفس کے پیچھے چلنے کی بجائے اپنی اتباع کا حکم دیا۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا آیات میں خواہش نفس‘ شیطان اور گمان وغیرہ کی پیروی کو مذموم قرار دیا گیا ہے اور اس کے بالمقابل دین اسلام‘ وحی الٰہی اور نبیؐ کی اتباع کا حکم جاری کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتباع کا جو حکم دیا گیا ہے یا مسلمانوں کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں‘ کیونکہ انہوں نے ان کی اتباع کی ہے یا مسلمانوں کو بھی قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی اتباع کا جو حکم دیا گیا ہے‘ تو اس سے کیا حضرت ابراہیمؑ کے ہر ہر فعل کی پیروی مراد ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے‘ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کا ہر ہر طریقہ نہ تو کسی آسمانی کتاب میں محفوظ ہے‘ نہ ہی آپ ﷺ کو وحی کیا گیا ہے اور نہ ہی حضرت ابراہیمؑ کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے۔ اس سے مراد بعض مخصوص معاملات مثلاً شرک سے اجتناب وغیرہ میں حضرت ابراہیمؑ کی پیروی ہے۔ قرآن کی آیت ﴿الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ (التوبۃ:۱۱۷) بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بعض اوقات اتباع کا لفظ ایک محدود دائرے میں کسی کے پیچھے چلنے کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۳) میں بھی اتباع سے مراد ذاتی خواہش کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ کے لیے اتباع کا لفظ وحی اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے لیے استعمال ہوا ہے‘ جیسا کہ اللہ کا فرمان ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ؕ﴾ اور ﴿اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ؕ﴾ (الاعراف:۲۰۳) اور ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ﴾ ہے۔

جس طرح اتباع سے مراد ہر ہر فعل کی پیروی نہیں ہے‘ اسی طرح یہ بات کہنا کہ اتباع میں محبت شامل ہے‘ یا یہ کہ اطاعت اور اتباع میں اصل فرق یہ ہے کہ اطاعت بغیر محبت کے ہوتی ہے اور اتباع محبت کے ساتھ اطاعت کا نام ہے‘ یہ بھی پورے طور پر درست معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں‘ اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اتباع و اطاعت کا کمال بغیر محبت کے حاصل نہیں ہو سکتا‘ لیکن انہیں محبت سے مشروط کرنے کے لیے دلیل درکار ہے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اہل لغت میں سے کسی ایک نے بھی اتباع کے مفہوم میں یہ بات بیان نہیں کی ہے کہ اتباع سے مراد محبت یا دلی آمادگی کے ساتھ کسی کی اطاعت کرنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے اتباع کو جن معانی میں استعمال کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اتباع کے لیے ضروری نہیں ہے کہ محبت بھی اس میں شامل ہو‘ جیسا کہ ارشاداتِ باری تعالیٰ ﴿قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ﴾ (آل عمران:۱۶۷) اور ﴿ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ﴾ (الفتح:۱۵) اور ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾﴾ (طٰہٰ) اور ﴿وَیَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ﴿۳﴾﴾ (الحج) وغیرہ ہیں۔ پہلی دونوں آیات منافقین کے بارے میں ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان کی اتباع کبھی بھی محبت کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ تیسری آیت میں حضرت ہارونؑ بچھڑے کے پجاریوں سے اپنی اتباع کا مطالبہ کر رہے ہیں اور کلام کا سیاق و سباق مثلاً ﴿وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ﴿﴾﴾ کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یہاں حضرت ہارونؑ کی اپنی اتباع سے مراد صرف یہ ہے کہ شرک چھوڑ دو‘ چاہے اس کو چھوڑنے کے لیے تمہارے دل آمادہ ہیں یا نہیں۔ چوتھی آیت میں شیطان کی اتباع کی بات ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شیطان کی اتباع محبت کے ساتھ ہوتی ہو۔ تیسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات یہ ہے کہ جب اہل لغت نے اتباع کے معنی میں محبت کو لازماً شامل نہیں کیا ہے تو اس بات کی کوئی شرعی دلیل ہونی چاہیے کہ اتباع کے معنی میں محبت کا مفہوم بھی شامل ہے تاکہ یہ دعویٰ ممکن ہو کہ اتباع کا ایک لغوی مفہوم ہے اور ایک شرعی معنی ہے۔ قرآن میں اتباع کا مطالبہ مسلمانوں اور کفار دونوں سے ہے۔ کفار کے لیے اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو ﴿فَاتَّبِعۡنِيۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۴۳﴾ (مریم) کے ذریعے اپنی اتباع کا حکم دینا ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِيۡ﴾ (آل عمران: ۳۱) میں اصلاً خطاب ان مشرکین اور اہل کتاب سے ہے جو کہ اللہ سے محبت کے دعویدار تھے یا اب بھی ہیں۔ ان کفار کو اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اس اتباع سے مراد آپؐ پر ایمان لانے کے مطالبے میں آپؐ کی بات کی پیروی کرنا ہے۔ تبعاً اس آیت کے عمومی مفہوم میں تمام مسلمانوں سے بھی اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کا مطالبہ ہے اور اس اتباع سے مراد آپؐ کے ان اقوال و افعال اور تقریر و تصویب کی پیروی کرنا ہے جو کہ آپ ﷺ سے بطورِ دین و شریعت صادر ہوئے ہوں نہ کہ آپؐ کے ہر ہر قول اور فعل کی پیروی کرنا' کیونکہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے ہر ہر قول اور فعل کی پیروی نہیں کی ہے۔

افعالِ رسول ﷺ کی درجہ بندی

نبی مکرم ﷺ کے افعال کو اہل علم نے مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے' جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) جبلی اور اتفاقی امور

اللہ کے رسول ﷺ کے جبلی اور اتفاقی امور اُمت کے لیے نہ تو شریعت ہیں اور نہ ہی ایسی سنت ہیں جن کی اتباع باعث ثواب ہے۔ جبلی امور سے مراد وہ کام ہیں جو ایک انسان اپنے جبلی تقاضوں کے تحت سرانجام دیتا ہے' مثلاً ایک انسان کھانا کھاتا ہے' پانی پیتا ہے' سوتا ہے' اٹھتا ہے' بیٹھتا ہے' پیشاب پاخانہ کرتا ہے' لباس پہنتا ہے' جوتا پہنتا ہے' اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور ایسے ہیں کہ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے' یعنی اگر کوئی شخص مسلمان نہ بھی ہو تو پھر بھی وہ اپنی جبلت کے تقاضوں کے تحت یہ سب کام کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مسلمان نماز پڑھتا ہے' روزہ رکھتا ہے' حج ادا کرتا ہے' زکوٰۃ دیتا ہے' وغیرہ تو یہ افعال جبلی نہیں ہیں' کیونکہ عام انسان یہ کام نہیں کرتے۔ آپ ﷺ کے جبلی افعال سے کم از کم یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام حرام نہیں ہیں' کیونکہ آپؐ سے حرام کا ارتکاب ناممکن ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم زیدانؒ لکھتے ہیں:

أفعاله الجبلية أى التى تصدر منه بحب الطبيعة البشرية و بصفته انسانا: كالأكل' والشرب' والمشي' والقعود' ونحو ذلك' فهذه لا تدخل في باب التشريع إلا على اعتبار إباحتها في حق المكلفين' فلا تجب متابعة الرسول في طريقة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباشرته لها، وإن كان بعض الصحابة يحرص على هذه المتابعة كعبد اللّٰه بن عمر، وهذه المتابعة أمر حسن۔[(۱۰۵)]

''اللہ کے رسول ﷺ کے جبلی افعال جو کہ ایک انسان ہونے اور بشری تقاضوں کے تحت آپؐ سے صادر ہوئے تھے' مثلاً کھانا' پینا' چلنا' بیٹھنا وغیرہ تو یہ تشریع کے باب میں نہیں ہیں' سوائے اس کے کہ یہ مکلفین کے لیے مباحات کا دائرہ ہے۔ ان افعال میں آپؐ کے طریقے کی پیروی لازمی نہیں ہے' اگرچہ بعض صحابہؓ اس متابعت کے بہت زیادہ حریص تھے اور ایسی متابعت ایک اچھی چیز ہے''۔

لہٰذا آپ ﷺ کے جبلی افعال مباح کے درجے میں ہیں' یعنی ان کے کرنے اور نہ کرنے دونوں کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ علماء نے مباح کی یہی تعریف بیان کی ہے' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ علامہ آمدیؒ لکھتے ہیں:

فنقول أما ما كان من الأفعال الجبلية كالقيام و القعود و الأكل و الشرب و نحوه فلا نزاع في كونه على الإباحة بالنسبة اليه و إلى أمته[(۱۰۶)]

''پس ہم یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے جبلی افعال مثلاً کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا وغیرہ میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ افعال آپ ﷺ کے لیے اور آپؐ کی امت کے لیے مباح ہیں''۔

مباح کے بارے میں ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک بعض مباحات ایسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی ادائیگی پر ایک مسلمان کو اس کی نیت و ارادے کا ثواب ملے' جیسا کہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدانؒ لکھتے ہیں:

وإن حكم المباح :أنه لا ثواب فيه ولا عقاب، ولكن قد يثاب عليه بالنية والقصد، كمن يمارس أنواع الرياضية البدنية بنية تقوية جسمه، ليقوى على محاربة الأعداء[(۱۰۷)]

''مباح کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے میں نہ تو ثواب ہے اور نہ ہی عذاب ہے۔ لیکن بعض مباحات ایسے ہیں کہ ان کے کرنے پر بعض اوقات نیت و ارادے کا ثواب ہوتا ہے' جیسے کوئی شخص ورزش کرتا ہے تا کہ اس کا جسم قوی ہو اور وہ اللہ کے دشمنوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکے (یعنی جہاد کر سکے)''۔

لہٰذا اگر کوئی شخص ان افعال کو رسول اللہ ﷺ سے محبت اور تعلق کے اظہار کی نیت سے ادا کرتا ہے تو پھر اس نیت و ارادے پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ اُمید کی بات اس لیے کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے جبلی و اتفاقی افعال کو شریعت نہیں بنایا اور نہ ہی کسی نص میں آپ ﷺ کے جبلی و اتفاقی افعال کی اتباع کا حکم دیا ہے اور نہ ہی ان افعال کی اتباع پر ثواب کا کوئی وعدہ کیا ہے۔ اس لیے یقینی طور پر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان افعال کی اتباع پر ثواب دیں گے' ایک دعویٰ ہے جس کے لیے کوئی دلیل چاہیے۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت امامہ بنت زینبؓ کو اپنی گردن پر بٹھا کر جماعت کروائی اور یہ ایک اتفاقی امر تھا۔ اب اگر کوئی امام صاحب آپ ﷺ کی محبت میں آپؐ کی اقتداء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے ایسا کرتے ہیں تو کیا انہیں اس عمل کا ثواب بھی ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ یہی بات کی جا سکتی ہے کہ امام صاحب کے اس عمل پر ان کو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق کے اظہار کے جذبے پر ثواب ملنے کی امید ہے۔ اس عمل میں آپؐ کی اقتداء پر ثواب اگر ایک یقینی امر ہوتا تو سب صحابہؓ یہ کام کرتے' کیونکہ وہ نیکیوں کے معاملے میں بہت حریص تھے' لیکن کسی ایک بھی صحابیؓ کے بارے میں مروی نہیں ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں اس فعل کو سنت سمجھتے ہوئے کیا ہو۔ امام مسلمؒ جب اس روایت کو اپنی صحیح میں لائے ہیں تو امام نوویؒ نے اس پر ''جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ'' کے عنوان سے باب باندھا ہے۔ یعنی اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں یہ فعل جائز ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ گدھے پر سوار ہوئے اور یہ ایک اتفاقی امر تھا' اگر گدھے پر سواری سنت ہوتی یا اس پر سواری کرنے میں ثواب ایک یقینی امر ہوتا تو تمام صحابہؓ یہ کام کرتے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے اتفاقی افعال بجائے خود اور اُن میں آپؐ کی پیروی یقینی طور پر اجر و ثواب کا موجب ہے تو ایسا شخص بدعتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وکذلک ابن عمر کان یتحری أن یسیر مواضع سیر النبی ﷺ و ینزل مواضع منزله' ویتوضأ فی السفر حیث رآه یتوضأ' و یصب فضل مائه علی شجرة صب علیها' ونحو ذلک مما استحبه طائفة من العلماء ورأوه مستحبا' و لم یستحب ذلک جمهور العلماء' کما لم یستحبه و لم یفعله أکابر الصحابة کأبی بکر و عمر و عثمان و علی وابن مسعود و معاذ بن جبل و غیرهم لم یفعلوا مثل ما فعل ابن عمر' و لو رأوه مستحبا لفعلوه کما کانوا یتحرون متابعته و الاقتداء به(۱۰۸)

''اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ جہاں سے اللہ کے رسول ﷺ کا گزر ہوا ہے وہاں سے گزریں اور جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے قیام کیا وہ بھی وہاں قیام کریں اور جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا وہ بھی وہاں وضو کریں اور جس درخت پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے وضو کا باقی ماندہ پانی ڈالا وہ بھی اسی درخت پر اپنے وضو کا باقی ماندہ پانی ڈالیں۔ اس کے علاوہ اور بھی آپ ﷺ کے ایسے افعال ہیں کہ جن کو علماء کی ایک جماعت نے مستحب قرار دیا ہے' لیکن جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کے یہ افعال مستحب نہیں ہیں اور نہ ہی اکابر صحابہ حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل ؓ وغیرہ نے ان کو مستحب سمجھا ہے اور نہ ہی ان اکابر صحابہؓ نے ایسا کیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کرتے تھے۔ اگر یہ اکابر صحابہ آپ ﷺ کے ان افعال کو مستحب سمجھتے تو وہ لازماً ان کو کرتے' کیونکہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اقتداء اور متابعت کے لیے حد درجہ کوشش کرتے تھے (یعنی ان افعال میں آپ ﷺ کی پیروی اکابر صحابہؓ کے نزدیک آپ ﷺ کی متابعت اور اقتداء کے مفہوم میں شامل نہیں تھی)''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحبؒ کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اتفاقی امور میں آپ کی پیروی کرنا باعث ثواب نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ باعث ثواب ہوتا تو اکابر صحابہؓ بھی ایسا کرتے۔ امام ابن تیمیہؒ کی طرح امام زرکشیؒ نے 'البحر المحیط' میں لکھا ہے کہ جمہور علماء کا یہی موقف ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں بھی معروف مذہب کے طور پر یہی موقف بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ کے وہ افعال جن کا جبلی ہونا واضح ہو' مباح ہیں۔ امام شوکانیؒ نے بھی 'ارشاد الفحول' میں اسے ہی جمہور کا مذہب قرار دیا ہے۔ علامہ آمدیؒ کے 'الاحکام' میں اس موضوع پر بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کا یہی ایک موقف ہے کہ آپ ﷺ کے جبلی افعال مباح ہیں۔ البتہ قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ افعال مستحب ہیں' جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے' لیکن علماء کی اس جماعت کے نام اصول کی کتابوں میں منقول نہیں ہیں' لہٰذا اس قول کی اہمیت ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ آمدیؒ نے اس مسئلے میں ایک ہی رائے کا بالجزم اظہار کیا ہے اور مندوب والی رائے بیان نہیں کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے جبلی افعال کو مندوب کہنے والے علماء کا موقف اس اعتبار سے بھی کمزور ہے کہ یہ صحابہؓ کے عمل کے خلاف ہے' جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے واضح کیا ہے۔ اس کے بعد امام صاحبؒ لکھتے ہیں:

أن المتابعة أن یفعل مثل ما فعل علی الوجه الذی فعل' فإذا فعل فعلا علی وجه العبادة شرع لنا أن نفعله علی وجه العبادة' و إذا قصد تخصیص مکان أو زمان بالعبادة خصصناه بذلك' کما کان یقصد أن یطوف حول الکعبة' وأن یستلم الحجر الأسود' و أن یصلی خلف المقام' وکان یتحری الصلاة عند أسطوانة مسجد المدینة' وقصد الصعود علی الصفا والمروة والدعاء والذکر هناك' و کذلك عرفة و المزدلفة و غیرها۔ وما فعله بحکم الاتفاق و لم یقصده مثل أن ینزل بمکان و یصلی فیه لکونه نزله لا قصدا لتخصیصه بالصلاة و النزول فیه فإذا قصدنا تخصیص ذلك المکان بالصلاة أو النزول لم نکن متبعین بل هذا من البدع التی کان ینهی عنها عمر بن الخطاب کما ثبت بالاسناد الصحیح من حدیث شعبة عن سلیمان التیمی عن المعرور بن سوید قال: کان عمر بن الخطاب فی سفر فصلی الغداة' ثم أتی علی مکان فجعل الناس یأتونه و یقولون: صلی فیه النبی ﷺ' فقال عمر: إنما هلك أهل الکتاب أنهم اتبعوا أنبیائهم فاتخذوها کنائس و بیعا' فمن عرضت له الصلاة فلیصل' و إلا فلیمض(۱۰۹)

''رسول اللہ ﷺ کی متابعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہی کام کیا جائے جو کہ آپؐ نے کیا ہے اور اسی طور پر کیا جائے جیسا کہ آپؐ نے اس کو کیا ہے (یعنی اگر اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو عبادت کے طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے تو اس کو بطور عبادت کیا جائے اور اگر آپؐ نے اسے اتفاقاً یا عادتاً کیا ہے تو ہم بھی اسے ایک اتفاق یا عادت کے طور پر کریں)۔ پس جب آپ ﷺ نے ایک کام عبادت کے طور پر کیا ہے تو ہمارے لیے بھی مشروع یہ ہے کہ ہم اسے بطور عبادت ہی کریں۔ اور اگر آپؐ نے کسی عبادت والے کام کو کسی جگہ یا وقت کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو ہم بھی اس عبادت والے کام کی اس جگہ یا وقت کے ساتھ تخصیص کریں' جیسا کہ آپ ﷺ کوشش کرتے تھے کہ بیت اللہ کے گرد طواف کریں' حجر اسود کا استلام کریں' مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھیں' اور مسجد نبوی کے ستون کے پاس نماز پڑھیں۔ اور آپؐ نے صفا اور مروہ پر چڑھنے اور ان پر دعا اور ذکر واذکار کا کام قصداً کیا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ عرفات اور مزدلفہ کے قیام کا بھی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے جو کام اتفاقاً کیا ہے اور آپؐ نے اس کام کے کرنے میں عبادت کا قصد نہیں کیا' مثلاً آپ نے کسی خاص جگہ اتفاقاً نماز پڑھی یا قیام کیا تو ہم اس جگہ نماز پڑھنے یا قیام کرنے میں اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع نہیں کریں گے اور ایسے کاموں میں آپؐ کی اتباع ایسی بدعت ہے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے' جیسا کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت شعبہ بن سلیمان التیمی ؒ حضرت معرور بن سویدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سفر میں صبح کی نماز پڑھائی' پھر آپ ایک ایسے مقام پر آئے جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہاں نماز پڑھی ہے (یعنی ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع میں اس جگہ نماز پڑھیں) تو حضرت عمرؓ نے کہا: تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی اتباع میں ان کی جگہوں کو اپنی عبادت گاہیں بنا لیا۔ پس جس کے لیے نماز کا وقت ہو جائے تو وہ نماز پڑھ لے اور اگر نماز کا وقت نہیں ہے تو (بجائے انتظار کرنے کے) آگے چلا جائے''۔

امام ابن تیمیہؒ نے متابعت کی تعریف واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ایک کام کو اللہ کے رسول ﷺ نے اتفاقاً کیا ہے' مثلاً آپؐ نے گدھے پر سواری اتفاقاً کی ہے' اب اس کو عبادت یا ثواب کا کام سمجھ کر کرنا بدعت ہے' کیونکہ آپؐ نے جب اس فعل کو کیا تھا تو ثواب سمجھ کر نہیں کیا تھا۔ اس لیے جس کام کو آپؐ نے ثواب سمجھ کر نہیں کیا اس کو ثواب سمجھ کر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک کام آپؐ کے نزدیک عبادت نہیں ہے اور ہم اس کو عبادت بنا لیں۔ اور یہی دین میں اضافہ اور بدعت ہے جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اس مسئلے میں کسی صاحب عقل کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ آپؐ کا نماز میں بچے کو اٹھانا یا گدھے پر سوار ہونا بطور عبادت (یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے) نہیں تھا بلکہ اتفاقاً تھا۔ علامہ آمدیؒ نے ''الاحکام'' میں لکھا ہے کہ اتباع کی تعریف بالاتفاق یہ ہے کہ کسی کام کو اسی طور پر کیا جائے جس طرح آپؐ نے کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اگر کوئی کام اتفاقاً کیا ہے تو اس کو اتفاق سمجھ کر کیا جائے' جیسا کہ گدھے کی سواری' اور اگر آپ نے کسی کام کو جبلی تقاضوں کے تحت کیا ہو تو اس کو آپ کا جبلی فعل سمجھ کر اس کی پیروی کی جائے نہ کہ دین سمجھ کر' جیسا کہ کدو کھانا۔ اور اگر آپ ﷺ نے کسی فعل کو تقرب الی اللہ کی نیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ارادے سے کیا ہے تو اس فعل میں آپ کی اتباع اسی نیت و ارادے سے کی جائے اور اس فعل کو دین سمجھا جائے‘ اس پر ثواب کی امید رکھی جائے وغیرہ۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھائی اس حال میں کہ آپؐ نے اپنے گریبان کے بٹن کھولے ہوئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص نماز میں یہ حالت عبادت یا ثواب سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو یہ بدعتی ہے‘ کیونکہ آپؐ نے اس فعل کو اتفاقاً کیا اور عبادت سمجھ کر نہ کیا تھا۔ اس شخص نے نماز کی سنن میں ایک ایسے فعل کا اضافہ سنت سمجھ کر کر دیا ہے جو درحقیقت نماز کی سنت نہیں ہے۔ اس فعل کے اتفاقی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نماز میں گریبان کھلا رکھنا عبادت یا باعث ثواب ہوتا تو صحابہؓ بھی اس فعل میں آپؐ کی متابعت کرتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے جبلی یا اتفاقی امور کے سنت نہ ہونے کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی درج ذیل روایت بھی ہے۔ حضرت ابوطفیلؒ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا:

يَزْعُمُ قَوْمُكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَافَ عَلٰى بَعِيْرٍ بِالْبَيْتِ وَاَنَّهٗ سُنَّةٌ‘ قَالَ: صَدَقُوْا وَكَذَبُوْا‘ قُلْتُ مَا صَدَقُوْا وَمَا كَذَبُوْا؟ قَالَ: صَدَقُوْا طَافَ عَلٰى بَعِيْرٍ وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ‘ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يَصْرِفُ النَّاسُ عَنْهُ وَلَا يَدْفَعُ فَطَافَ عَلَى الْبَعِيْرِ حَتّٰى يَسْمَعُوْا كَلَامَهٗ وَلَا تَنَالُهٗ اَيْدِيْهِمْ (۱۱۰)

’’آپ کی قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا اور یہ سنت ہے! تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ ایک بات میں وہ سچے ہیں اور ایک میں جھوٹے ہیں۔ میں نے کہا: ان کی کون سی بات سچی ہے اور ان کی کس بات میں جھوٹ ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹ پر بیت اللہ کا طواف کیا (یعنی یہ بات درست ہے) اور یہ سنت نہیں ہے (یعنی اس فعل کو سنت کہنا جھوٹ ہے)۔ (اصل معاملہ یہ ہے کہ) اللہ کے رسول ﷺ سے لوگ ہٹتے نہیں تھے (یعنی آپؐ پر ہجوم کر لیتے تھے) پس آپ ﷺ نے اونٹ پر طواف کیا تاکہ لوگ آپؐ کی بات اچھی طرح سن سکیں اور ان کے ہاتھ آپ تک نہ پہنچ سکیں (اور آپؐ کو تکلیف نہ ہو)‘‘۔

یہ روایت صحیح مسلم میں بھی موجود ہے لیکن اس میں بیت اللہ کے طواف کی بجائے صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر ہے۔ سنن ابی داؤد‘ مسند احمد اور بعض دوسری کتب احادیث میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن وہاں بھی صفا و مروہ کے درمیان سعی کا ذکر ہے۔ بعض دوسری صحیح روایات سے بھی صرف یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ نے بیت اللہ کا طواف بھی اونٹ پر بیٹھ کر کیا تھا (۱۱۱)۔ علامہ البانیؒ نے ان دونوں روایات کو حسن کہا ہے جبکہ ابن دقیق العیدؒ نے بیت اللہ کے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کرنے والی روایت کو 'ثابت' کہا ہے (۱۱۲)۔ ابن العربی نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے (۱۱۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہم نکتہ: یہ واضح رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے وہ جبلی افعال جن کو آپؐ نے اُمت کے لیے تشریع کے طور پر جاری کیا ہے‘ وہ مستحبات میں شمار ہوں گے اوران کا کرنا باعث اجر وثواب اور درجات کی بلندی کا سبب ہوگا‘ جیسا کہ آپ ﷺ نے ’بِسْمِ اللّٰہِ‘ پڑھ کر اور دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے رات کو سونے کی دعا پڑھ کر اور دائیں کروٹ پر سونے کی تلقین کی ہے‘ وغیر ذلک۔ جبلی افعال میں آپؐ کا حکم نہ بھی ہو‘ جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں ہے‘ لیکن اگر احادیث میں کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس بات پر دلالت کرر ہا ہو کہ آپؐ نے یہ کام بطور تشریع کے کیا ہے تو پھر بھی آپؐ کا ایسا جبلی فعل امت کے حق میں مشروع اور مستحب ہوگا۔ کیا کسی جبلی فعل پر آپؐ کی مواظبت اور دوام اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ فعل بھی امت کے حق میں مستحب کا درجہ رکھتا ہے؟ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے جس کو تفصیل کے ساتھ امام زرکشیؒ نے ’البحر المحیط‘ میں بیان کیا ہے‘ طوالت کے خوف سے ہم اس بحث کو یہاں بیان نہیں کرر ہے ہیں۔

(۲) عادی اُمور

عادی اُمور سے مراد وہ اُمور ہیں جو معاشرے کے عرف‘ رواج وغیرہ کی وجہ سے سرانجام دیے جائیں‘ مثلاً جسم ڈھانپنا انسان کے لیے ایک جبلی امر ہے۔ اب ایک خاص علاقے میں جسم ڈھانپنے کے لیے تہبند استعمال ہوتا ہے تو اپنے علاقے کے رسم و رواج کا لحاظ رکھتے ہوئے تہبند پہننا امورِ عادیہ میں شمار ہوگا۔ اسی طرح کھانا کھانا جبلی اُمور میں سے ہے۔ اب ایک علاقے میں چاول کھانے کا رواج زیادہ ہے تو کھانے میں چاول ہی کھانا امور عادیہ میں سے ہوگا۔ آپ ﷺ کا تہبند باندھنا اور عمامہ باندھنا اُمورِ عادیہ میں سے ہے۔ عادت اصول فقہ کی ایک اصطلاح ہے جو کہ عرف کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ علامہ احمد العدویؒ لکھتے ہیں:

محض الفعل لا يدل على أن الفعل قربة‘ بل يدل على أنه ليس بمحرم فقط‘ وأما كونه قربة على الخصوص فذلك شيء آخر‘ فإن الصحابة رضوان الله عليهم و هم أعلم الناس بالدين و أحرص الناس على اتباع الرسول في كل ما يقرب إلى الله تعالى كانوا يشاهدون من النبي ﷺ أفعالا‘ ولما لم يظهر لهم فيها قصد القربة لم يتخذوها دينا يتعبدون به ويدعون الناس إليه ولذلك أمثلة كثيرة(۱۱۴)

’’محض رسول اللہ ﷺ کا کسی کام کو کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپؐ نے وہ کام اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لیے کیا ہے‘ بلکہ اس سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کام کرنا حرام نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ آپؐ نے وہ کام اللہ کے قرب کے حصول کے لیے کیا یہ ایک دوسری چیز ہے۔ صحابہ کرامؓ جو دین کو سب سے زیادہ جاننے والے اور لوگوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی ایسے افعال میں اتباع میں سب سے زیادہ حریص تھے جو اللہ کے قریب کرتے ہیں‘ اللہ کے رسول ﷺ کے افعال کا مشاہدہ کرتے تھے‘ اس لیے جب انہیں آپ ﷺ کے کسی فعل میں یہ نظر آتا تھا کہ آپؐ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ فعل اللہ کے قرب کے حصول کے لیے نہیں کیا تو وہ اس فعل کو دین نہیں بناتے تھے اور نہ ہی لوگوں کو اس کی ترغیب وتشویق دلاتے تھے اور آپؐ کے ایسے افعال کی مثالیں بہت زیادہ ہیں (یعنی جن کو صحابہؓ نے نہ دین بنایا ہے اور نہ ہی ان کی اتباع کی دعوت دی ہے)''۔

رسول اللہ ﷺ کے عادی اُمور ہمارے لیے تشریع ہیں یا نہیں ہیں' اس کی وضاحت میں درج ذیل روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِضَبٍّ مَشْوِيٍّ فَأَهْوٰى إِلَيْهِ لِيَأْكُلَ، فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُ ضَبٌّ، فَأَمْسَكَ يَدَهُ، فَقَالَ خَالِدٌ: أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: ((لَا وَلٰكِنَّهُ لَا يَكُوْنُ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ)) فَأَكَلَ خَالِدٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْظُرُ(۱۱۵)

''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک بھنی ہوئی گوہ لائی گئی۔ آپؐ اس کو کھانے کے لیے جھکے تو آپؐ سے کہا گیا کہ یہ گوہ ہے۔ پس آپؐ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے سوال کیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا: ''نہیں' لیکن چونکہ یہ جانور میری قوم کی سرزمین (یعنی مکہ) میں نہیں پایا جاتا اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا''۔ پس حضرت خالدؓ نے اس کو کھایا اور رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھ رہے تھے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے گوہ کو اس لیے نہیں کھایا کہ آپؐ کے علاقے میں یہ نہیں کھائی جاتی تھی' یعنی آپؐ نے عادتاً گوہ کے کھانے کو ترک کیا ہے نہ کہ شرعاً۔ اب اگر کسی شخص کو گوہ کا گوشت پیش کیا جائے اور وہ عادتاً گوہ کا گوشت نہ کھائے یعنی اس کے علاقے میں گوہ نہیں کھائی جاتی لہٰذا وہ بھی گوہ نہیں کھاتا تو یہ صحیح عمل ہے اور آپؐ کی متابعت واتباع شمار ہوگا' لیکن اگر کوئی یہ عمل ایسی سنت سمجھ کر کرے کہ جس میں ثواب کا بھی یقین رکھا جائے تو اس صورت میں گوہ کا گوشت نہ کھانا بدعت ہوگا۔ اس طرح کا معاملہ ان چیزوں کا بھی ہے جن کو آپؐ طبعاً ناپسند کرتے تھے۔ مثلاً آپ ﷺ کو لہسن اور پیاز کھانا طبعاً ناپسند تھا۔ فتح خیبر کے موقع پر صحابہؓ کو بہت بھوک لگی تھی تو انہوں نے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے یہودیوں کے کھیتوں سے کثرت سے لہسن کھایا۔ جب صحابہؓ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے تو آپؐ نے ان کے مونہوں سے لہسن کی بو محسوس کی تو آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْخَبِيْثَةِ شَيْئًا فَلَا يَقْرَبَنَّا فِي الْمَسْجِدِ)) فَقَالَ النَّاسُ: حُرِّمَتْ، حُرِّمَتْ فَبَلَغَ ذَاكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: ((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَيْسَ بِي تَحْرِيْمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لِي وَلٰكِنَّهَا شَجَرَةٌ أَكْرَهُ رِيْحَهَا))(۱۱۶)

''جس نے بھی اس خبیث درخت میں سے کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے''۔ اس پر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ لہسن حرام کر دیا گیا ہے' لہسن حرام کر دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''اے لوگو! میرے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ جس کو اللہ نے میرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے حلال قرار دیا ہو اُس کو حرام ٹھہراؤں۔ یہ تو ایک درخت ہے جس کی بو مجھے بڑی ناپسند ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ طبعاً لہسن اور پیاز وغیرہ کو ناپسند کرتے تھے لیکن یہ شرعاً حرام نہیں ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کو اگر ایسا کھانا ہدیہ کیا جاتا جس میں لہسن ہوتا تو آپؐ اس کو نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے ایسا ہی کھانا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف بھجوا دیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اس کھانے کو نہ کھایا کہ جو اللہ کے رسول ﷺ کو ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ صحیح روایات کے مطابق جمہور صحابہؓ پیاز اور لہسن استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ کے رسول ﷺ سے محبت اور تعلق کے اظہار کے لیے لہسن اور پیاز کھانا بند کر دے تو یہ ایک جائز امر ہے اور آپؐ سے محبت کا اظہار ہے اور اِن شاء اللہ باعث اجر و ثواب ہے' لیکن اگر کوئی پیاز اور لہسن کو نہ کھانے کو سنت شرعیہ یا باعث ثواب امر سمجھے تو یہ بدعت ہے' کیونکہ آپ ﷺ نے پیاز کا شرعی حکم خود ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ حلال ہے۔ یہ واضح رہے کہ مسجد میں پیاز یا لہسن کھا کر آنا آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے خلافِ سنت امر ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کو کدو بہت پسند تھے اور آپؐ سالن میں سے کدو تلاش کر کر کے کھاتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی سالن میں سے کدو تلاش کر کے کھاتے تھے۔ کدو کی طرف آپ ﷺ کی رغبت ایک طبعی امر تھا نہ کہ اللہ کا حکم' اسی لیے یہ کہنا ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کدو اس لیے کھائے تاکہ اللہ کا قرب حاصل کر سکیں یا آپؐ نے کدو بطور عبادت کے کھائے ہیں' یعنی ان کے کھانے کو باعث ثواب سمجھا ہے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے کدو کو بطور عبادت یا ثواب کی نیت سے نہیں کھایا تو ایک اُمتی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کدو اس وجہ سے کھائے کہ اس کا کھانا ایسی سنت ہے جس پر وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح کا معاملہ ثرید اور دوسرے کھانوں کا بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تہبند باندھنا' عمامہ باندھنا' موزے پہننا وغیرہ بھی عادی امور میں سے ہے' کیونکہ صحابہؓ عمامہ بھی باندھتے تھے اور صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے' تہبند بھی باندھتے تھے اور شلوار بھی پہنتے تھے' موزے بھی پہنتے تھے اور بغیر موزوں کے بھی رہتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حالت احرام میں انسان کون سا لباس پہن سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ))(۱۱۷)

''قمیصیں' عمامے' شلواریں' لمبی ٹوپیاں اور موزے (حالت احرام میں) نہ پہنو۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے حالت احرام میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ٹوپی اور شلوار پہننے سے منع کیا ہے تو معلوم ہوا کہ صحابہؓ کی ایک جماعت ابتداءً ٹوپی اور شلوار بھی پہنتی تھی' اسی لیے تو آپ ﷺ نے منع کیا تھا۔ صحیح احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بغیر ٹوپی اور عمامے کے بھی نماز پڑھ لیتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَاَیْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَقَالَ :رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ(۱۱۸)

''میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تو انہوں نے کہا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

بس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی ہدایت جاری فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھنا چاہے تو کپڑے کو اپنے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ ستر کے علاوہ اس کے کندھے بھی چھپ جائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا یُصَلِّیْ اَحَدُکُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقَیْہِ شَیْءٌ))(۱۱۹)

''تم میں کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز اس طرح نہ پڑھے کہ اس کے دونوں کندھوں پر کچھ نہ ہو۔''

ایک اور روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ عموماً بغیر ٹوپی اور عمامے کے نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَاَلَہٗ عَنِ الصَّلَاۃِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ: ((اَوَ کُلُّکُمْ یَجِدُ ثَوْبَیْنِ؟)) ثُمَّ سَاَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ: اِذَا وَسَّعَ اللّٰہُ فَاَوْسِعُوْا ' جَمَعَ رَجُلٌ عَلَیْہِ ثِیَابَہٗ صَلّٰی رَجُلٌ فِیْ اِزَارٍ وَ رِدَاءٍ فِیْ اِزَارٍ وَقَمِیْصٍ فِیْ اِزَارٍ وَقَبَاءٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَ رِدَاءٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَقَمِیْصٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَقَبَاءٍ فِیْ تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ فِیْ تُبَّانٍ وَقَمِیْصٍ ' قَالَ وَاَحْسِبُہٗ قَالَ فِیْ تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ(۱۲۰)

''ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا (کہ کیا یہ جائز ہے؟) تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟'' (یعنی تم خواہ مخواہ سوال تو نہیں کر رہے ہو؟ حالانکہ کئی صحابہؓ کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے بھی ایک سے زائد کپڑا موجود نہیں ہے)۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: اللہ نے تم کو وسعت دی ہے تو اس وسعت کو اختیار کرو (یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا تو جائز ہے لیکن جب تمہارے پاس ایک سے زائد کپڑے موجود ہیں تو ان کو پہنو)۔ ایک آدمی کو اپنے بدن کو کپڑوں سے ڈھانپنا چاہیے۔ ایک آدمی کو چاہیے کہ وہ ایک تہبند اور چادر میں یا ایک تہبند اور قمیص میں یا ایک تہبند اور چوغے میں یا شلوار اور چادر میں یا شلوار اور قمیص میں یا شلوار اور چوغے میں یا لنگوٹ اور چوغے میں یا لنگوٹ اور قمیص میں نماز پڑھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ وہ لنگوٹ اور چادر میں نماز پڑھے''۔

اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وسعت کے زمانے میں مسلمانوں کی نماز کا لباس تفصیل سے بیان کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ جس میں دُور دُور تک کسی ٹوپی یا عمامے کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عمامہ ہی کو سنت کہا جائے تو تہبند پہننا بھی اسی درجے کی سنت ہونی چاہیے کیونکہ آپؐ نے عمامے کے ساتھ تہبند بھی باندھا ہے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تہبند کے علاوہ شلوار اور لنگوٹ میں بھی نماز پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہبند باندھنا یا شلوار پہننا صحابہؓ کے نزدیک ایک ہی حکم رکھتا تھا☆۔ پس ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ اور تہبند اللہ کا قرب حاصل کرنے یا عبادت کے لیے نہیں باندھا بلکہ آپؐ نے اپنے معاشرے کے مروج لباس کا لحاظ رکھتے ہوئے عمامہ اور تہبند باندھا ہے۔ ایک صاحب نے جب ' اللجنة الدائمة السعودية' سے عمامے کے بارے میں سوال کیا تو اللجنة الدائمة کے شیوخ 'شیخ بکر ابوزید' شیخ عبدالعزیز آل الشیخ' شیخ صالح الفوزان' شیخ عبداللہ بن غدیان اور شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ نے درج ذیل فتویٰ دیا۔ ہم یہاں سوال اور جواب دونوں کو نقل کر رہے ہیں:

س: أعفيتُ لحيتي وقصرتُ ثوبي ولبستُ العمامة بفضل الله' اتباعا واقتداء' ولكن الغريب في الأمر: ان الكثير و الكثير من الناس انكر على ذلك' واستهزؤوا بي لتركي الغترة و الشماغ و العقال' و ينظرون الي بسخرية و استنكار' وكاني أفعل شيئا منكرا أو غريبا۔ فهل الرسول صلى الله عليه وسلم لبس العمامة' وهل هي سنة مؤكدة' هل هذه العمامة لا تصلح لهذا الزمان الذي نحن فيه؟ وما هي صفات رسول الله صلى الله عليه وسلم في لبس العمامة؟ وهل كانت لها ألوان كالأبيض والأسود؟ وهل اؤثم علي لبسها؟ وهل علي إثم إن أنا حثيت من حولي على لبسها؟ أفيدوني أفادكم الله و جزاكم الله خيرا كثيرا۔

''سوال: میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اقتداء میں اپنی داڑھی بڑھالی ہے اور اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے اوپر کرلیا ہے اور اللہ کے فضل سے عمامہ بھی باندھ لیا ہے' لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے میرا اس بات پر مذاق اڑایا ہے اور اس کو ناپسند کیا ہے کہ میں نے سعودی رومال اور عقال پہننا چھوڑ دیا ہے' لوگ میری طرف مذاق اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے اس طرح دیکھتے ہیں گویا میں نے کوئی ناپسندیدہ اور عجیب کام کیا ہو۔ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ باندھا ہے؟ کیا عمامہ باندھنا سنت مؤکدہ ہے؟ کیا اس زمانے میں جس میں ہم رہ رہے ہیں' عمامہ باندھنا ایک درست کام ہے؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامے کا رنگ کالا اور سفید تھا؟ کیا عمامہ باندھنے سے میں گناہگار ہوں گا؟ کیا اگر میں کسی کو عمامہ باندھنے کی ترغیب دوں تو یہ گناہ ہے؟ مجھے شرعی حکم بتا کر فائدہ پہنچائیں' اللہ بھی آپ کو فائدہ دے گا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے''۔

ج: الحمد لله الذي هداك و وفقك لاتباع السنة' وما ذكرتَه من إعفاء اللحية فهو

☆ ایک مستقل مضمون میں ان شاء اللہ عمامے اور تہبند وغیرہ کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل واضح کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واجب؛ لأنه من سنن الأنبياء، و من خصال الفطرة، وقد نهى النبیﷺ عن حلق اللحية وقصها: لما فيه من التشبه بالكفار، وأما تقصير الثوب فالواجب تقصيره إلى الكعبين، وما نزل عن الكعبين فهوإسبال محرم وكبيرة من كبائر الذنوب، وأما لبس العمامة فهو من المباحات وليس بسنة كما توهمتَ، والأولى أن تبقى على ما يلبسه أهل بلدك على رؤوسهم من الغترة والشماغ ونحوه۔ وأما استهزاء الناس بل بسبب تمسك بالدين وحرصك على اتباع السنة فلا تلتفت إليه، ولا يهمك، وفقنا اللّٰہ وإياك للفقه فی الدين والعمل بسنة سيد المرسلين۔ وباللّٰہ التوفيق، وصلى اللّٰہ على نبينا محمد و آله وصحبه و سلم (۱۲۱)

''جواب: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کو ہدایت دی اور آپ میں اتباع سنت کا جذبہ پیدا کیا۔ جہاں تک داڑھی کو چھوڑنے کا ذکر ہے تو یہ فرض ہے اور انبیاء کی سنت ہے اور خصالِ فطرت میں سے ایک خصلت ہے۔ اللہ کے نبیﷺ نے داڑھی کو مونڈنے اور کتروانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں کفار سے مشابہت ہے۔ جہاں تک کپڑوں کو اوپر کرنے کا معاملہ ہے تو ٹخنوں سے اوپر کپڑے کرنا واجب ہے' جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوگا تو وہ اسبالِ ازار ہے اور یہ حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ جہاں تک عمامہ باندھنے کا تعلق ہے تو یہ مباحات میں سے ایک مباح ہے اور یہ سنت نہیں ہے جیسا کہ آپ کا وہم ہے۔ اور بہتر یہی ہے آپ اپنے علاقے کے لوگوں کا لباس پہنیں جیسا کہ وہ اپنے سروں پر رومال اور عقال لیتے ہیں۔ آپ کے دین کے ساتھ تمسک اور اتباعِ سنت پر حرص کی وجہ سے لوگ آپ کا جو مذاق اڑاتے ہیں تو اس کی پرواہ نہ کریں اور نہ ہی اس پر پریشان ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دین کی سمجھ عطا کرے اور اللہ کے رسولﷺ کی سنت پر عمل کی توفیق دے۔ عمل کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نبیﷺ اور ان کی آل اور ان کے صحابہؓ پر رحم فرمائے''۔

عمامے سے متعلق ایک اور سوال کے جواب میں اللجنۃ الدائمۃ نے یہ جواب دیا:

ج: لبس العمامة من العادات وليس من العبادات، و إنما لبسها النبیﷺ لأنها كانت من لباس قومه، ولم يصح فی فضل العمائم شیء، غير أن النبی لبسها، فالمشروع للانسان أن يلبس ما تيسر له من لباس أهل بلده ما لم يكن محرما۔ وباللّٰہ التوفيق و صلى اللّٰہ على نبينا محمد و آله و صحبه وسلم (۱۲۲)

''جواب: عمامہ پہننا اللہ کے رسولﷺ کی عادات میں سے ہے اور یہ عبادت کا کام نہیں ہے۔ اللہ کے نبیﷺ نے عمامہ اس لیے باندھا ہے کہ یہ آپؐ کی قوم کا لباس تھا' عمامے کی فضیلت میں کوئی ایک بھی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے' ہاں اللہ کے نبیﷺ کا عمامہ پہننا ثابت ہے۔ انسان کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اس کے علاقے والوں کا جو لباس ہے وہ اس کو پہنے بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمامے کی فضیلت میں بعض ضعیف اور موضوع روایات بھی پھیلا دی گئی ہیں' کسی مناسب وقت میں ہم ان تمام روایات کی استنادی حیثیت پر گفتگو کریں گے۔ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے معاشرے میں کفار ومشرکین بھی عمامہ پہنتے' تہبند باندھتے اور موزے وغیرہ پہنتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ سے تعلق ومحبت کے اظہار کرنے کے لیے یہ سب کام کرنا جائز ہیں' لیکن ان کو ثواب یا عبادت کی نیت سے کرنا بدعت ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مسلمان معاشروں میں علماء و مذہبی طبقوں کے رواج وعرف کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلامی تحریکوں کے کارکنان کے لیے اپنے سر کو ڈھانپنا یا ٹوپی پہننا ایک مستحسن امر ہے۔

اسی طرح اگر کسی عادی امر کے بارے میں احادیث میں کوئی قرائن موجود ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان امور عادیہ کو بطور تشریع جاری کیا ہے تو وہ عادی امور اُمت کے حق میں مشروع ہوں گے۔ بعض امور عادیہ کے بارے میں علماء میں اختلاف بھی ہوا ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے عادی امور ہیں یا آپ نے انہیں بطور دین جاری کیا ہے' جیسا کہ مصر اور بعض دوسرے ممالک کے علماء نے داڑھی کو اُمورِ عادیہ میں شمار کیا ہے جبکہ سعودیہ اور برصغیر کے علماء کے نزدیک داڑھی کا حکم آپ ﷺ نے بطور تشریع جاری کیا ہے' اور یہی رائے صحیح ہے' کیونکہ اس رائے کے حق میں قرائن ودلائل بہت قوی ہیں۔

(۳) افعالِ خصوصی

اللہ کے رسول ﷺ کے وہ افعال جو کہ آپؐ کے ساتھ خاص ہیں وہ اُمت کے لیے سنت نہیں ہیں' جیسا کہ آپ ﷺ کا چار سے زائد عورتوں سے شادی کرنا' صومِ وصال یعنی مغرب کے وقت بغیر افطار کیے مسلسل رات اور دن کا روزہ رکھنا اور عصر کے بعد نوافل پڑھنا وغیرہ۔ اصل قاعدہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کے افعال اُمت کے لیے بھی تشریع ہیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''البتہ تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ ہے''۔

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے گا کہ فلاں فعل رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے تو اسے اس کے لیے کوئی دلیل لانی پڑے گی۔ اگر کوئی دلیل مل جائے تو پھر آپ ﷺ کا وہ فعل اُمتِ مسلمہ کے لیے ایسی سنت کا درجہ نہیں رکھے گا جس کی اتباع مشروع ہو۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ' قَالُوْا: اِنَّكَ تُوَاصِلُ' قَالَ: ((اِنِّيْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ اِنِّيْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى))(۱۲۳)

''اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک دن صحابہؓ کو) صومِ وصال سے منع کیا تو صحابہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بھی تو وصال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے اپنے رب کی طرف سے کھلایا اور پلایا جاتا ہے''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر فعل ہمارے لیے سنت نہیں ہے۔ جب صحابہؓ نے آپؐ کے فعل کو اپنے عمل کی دلیل بنایا تو آپؐ نے اپنے اور اُمتیوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے اپنے فعل کو اُمت کے حق میں مشروع قرار نہ دیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل کے بارے میں اسی نص میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہوتا جو اس کی خصوصیت پر دلالت کر رہا ہو' حالانکہ وہ فعل آپؐ کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عليه السلام السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ (١٢٤)

''اللہ کے رسول ﷺ نے میرے پاس عصر کے بعد کی دو رکعتیں کبھی بھی ترک نہ کیں''۔

اسی حدیث کی بنا پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عصر کے بعد نفل نماز پڑھ لیتے تھے۔ جیسا کہ عبد العزیز بن رفیعؒ فرماتے ہیں:

رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَيُخْبِرُ اَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا حَدَّثَتْهُ اَنَّ النَّبِيَّ عليه السلام لَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهَا اِلَّا صَلَّاهُمَا (١٢٥)

''میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ عصر کے بعد دو رکعتیں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو یہ خبر دی ہے کہ جب بھی اللہ کے رسول ﷺ (عصر کے بعد) حضرت عائشہؓ کے پاس داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ دو رکعتیں ادا کیں''۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عمرؓ عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے پر لوگوں کو مارا کرتے تھے' کیونکہ ان کے نزدیک یہ صرف اللہ کے رسول ﷺ کا خاصہ تھا۔ حضرت کریبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس' حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہم نے ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور یہ کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہماری طرف سے سلام کہنا اور عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھنا اور یہ کہنا:

اِنَّا اُخْبِرْنَا عَنْكِ اَنَّكِ تُصَلِّيْنَهُمَا وَقَدْ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ عليه السلام نَهٰى عَنْهَا' وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكُنْتُ اَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْهَا...... (١٢٦)

''ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ آپ بھی عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتی ہیں اور ہمیں نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے' اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا ہے: میں اور حضرت عمرؓ ایسے شخص کو مارا کرتے تھے (جو کہ عصر کے بعد نماز پڑھتا تھا)......''

اسی روایت میں آگے چل کر بیان ہوا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت کریبؒ کو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا تو حضرت اُمّ سلمہؓ نے اس بات کی وضاحت کی کہ آپ ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں کیوں پڑھتے تھے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک دفعہ بنو عبد القیس کے لوگ آئے جن کی وجہ سے آپؐ ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ عصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد آپ ﷺ اندر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں ادا کیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب ایک کام شروع کر لیتے تھے تو اس پر مداومت کرتے تھے' اسی لیے آپؐ نے عصر کے بعد مستقل طور پر دو رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ عصر کے بعد آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی یہ وجہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم نہ ہو سکی' جس کی بنا پر وہ ایک ایسے عمل کو سنت سمجھ کر کرتے رہے' جس سے آپؐ نے منع فرمایا تھا' جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيبَ الشَّمْسُ))(۱۲۷)

''فجر کی فرض نماز کے بعد سورج چڑھ آنے تک کوئی نماز نہیں ہے اور عصر کی فرض نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے''۔

علامہ آمدیؒ اس اصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما ما سوی ذلک مما ثبت کونه من خواصه التی لا یشارکه فیها أحد فلا یدل ذلک علی التشریک بیننا و بینه إجماعا(۱۲۸)

''اس کے علاوہ آپ ﷺ کے وہ افعال جن کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ صرف آپؐ کے لیے تھے اور اُمت میں سے کوئی بھی آپؐ کے ان افعال میں شریک نہیں ہے تو اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے ایسے افعال کسی اُمتی کے حق میں مشروع نہیں ہیں''۔

(۴) فعلِ محض کا درجہ

اللہ کے رسول ﷺ کے صرف عمل سے کسی فعل کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ امام ابن حزمؒ نے اپنی کتاب 'الاحکام فی أصول الأحکام' میں لکھا ہے کہ قرآن کی آیت ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ میں 'لَكُمْ' کے ساتھ خطاب ہے۔ اگر یہاں 'لَكُمْ' کی بجائے 'عَلَيْكُمْ' ہوتا تو آپ ﷺ کے عمل سے کسی فعل کا وجوب ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ کسی امر کے بیان یا اس کی تنفیذ میں آپ ﷺ کا فعل وجوب کا حامل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے حکم جاری فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ))(۱۲۹) یعنی نماز پڑھو جیسا کہ مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ))(۱۳۰) یعنی مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا ایک امر ہے۔ اب اس امر کی تنفیذ یا بیان کے لیے آپؐ نے جس طریقے سے نماز یا حج ادا کیا اس طریقے کے مطابق نماز یا حج ادا کرنا فرض ہے۔

لیکن اس میں بھی یہ بات واضح رہے کہ آپ ﷺ کے ایسے امور کا بیان جب آپؐ کے افعال کی صورت میں سامنے آتا ہے تو ان امور کے بیان میں وہ تمام افعال فرض یا سنت نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض اُمورِ عادت سے متعلق بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً صحیحین میں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ وَھُوَ حَامِلٌ اُمَامَۃَ بِنْتَ زَیْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ(۱۳۱)

''اللہ کے رسول ﷺ اپنی نواسی حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر نماز پڑھتے تھے''۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے' حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَۃُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ وَھِیَ ابْنَۃُ زَیْنَبَ بِنْتِ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰی عَاتِقِہٖ فَاِذَا رَکَعَ وَضَعَھَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَھَا(۱۳۲)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو لوگوں کی امامت کرواتے دیکھا جبکہ آپؐ نے حضرت زینب بنت امامہ رضی اللہ عنہا کو اپنی گردن پر بٹھایا ہوا تھا۔ جب آپؐ رکوع کرتے تھے تو ان کو اتار کر رکھ دیتے تھے اور جب سجدے سے اٹھتے تھے تو ان کو دوبارہ اٹھا لیتے تھے''۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو فرض نماز میں اپنی گردن پر بٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب جن صحابہؓ نے آپ ﷺ کو اس طرح نماز پڑھاتے دیکھا تو کیا ان کے لیے یہ واجب یا فرض ہو گیا کہ وہ اپنی نواسیوں کو اپنی گردنوں پر بٹھا کر نماز پڑھیں یا پڑھائیں؟ کوئی بھی صحابیؓ آپؐ کی اقتدا میں اپنی نواسی کو مسجد میں نہیں لایا تاکہ وہ بھی اسی طرح نماز پڑھے جیسے کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ کے حکم ((صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) میں آپؐ کے کون سے افعال اس حکم کا بیان ہیں اور کون سے امور عادیہ میں سے ہیں' ان میں فرق کرنا پڑے گا۔ اور اس میں بعض اوقات فقہاء میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً تمام فقہاء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نماز میں جلسۂ استراحت کیا' یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دو سجدوں کے بعد پہلے بیٹھے اور پھر قیام کیا۔ لیکن احناف کے نزدیک یہ آپ ﷺ کے عادی اُمور میں سے ہے' آپؐ نے نماز میں جلسۂ استراحت بڑھاپے کی وجہ سے کیا۔ آپ ﷺ کا یہ فعل ((صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) کا بیان نہیں ہے' جبکہ جمہور علماء جلسۂ استراحت کو ((صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) کا بیان مانتے ہیں۔ اسی طرح صحیح احادیث میں ہے کہ حج کے دوران عرفات سے منیٰ واپسی تک کا سفر آپ ﷺ نے اونٹ پر کیا' حتیٰ کہ آپؐ نے بیت اللہ کا طواف بھی اونٹ پر کیا' اور صفا و مروہ کی سعی بھی۔ تو کیا اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کرنا یا صفا و مروہ کی سعی کرنا واجب یا فرض ہے؟ واجب یا فرض تو کجا' یہ سنت بھی نہیں ہے! حضرت ابوطفیلؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

یَزْعُمُ قَوْمُکَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ طَافَ عَلٰی بَعِیْرٍ بِالْبَیْتِ وَاَنَّہٗ سُنَّۃٌ' قَالَ صَدَقُوْا وَکَذَبُوْا' قُلْتُ مَا صَدَقُوْا وَمَا کَذَبُوْا؟ قَالَ صَدَقُوْا طَافَ عَلٰی بَعِیْرٍ وَلَیْسَ بِسُنَّۃٍ' اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ لَا یُصْرَفُ النَّاسُ عَنْہُ وَلَا یُدْفَعُ فَطَافَ عَلَی الْبَعِیْرِ حَتّٰی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يَسْمَعُوْا كَلَامَهٗ وَلَا تَنَالُهٗ اَيْدِيْهِمْ (١٣٣)

''آپ کی قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا اور یہ سنت ہے۔تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ ایک بات میں وہ سچے ہیں اور ایک میں جھوٹے ہیں۔میں نے کہا: ان کی کون سی بات سچی ہے اور ان کی کس بات میں جھوٹ ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹ پر بیت اللہ کا طواف کیا (یہ بات درست ہے) اور یہ سنت نہیں ہے (یعنی اس فعل کو سنت کہنا جھوٹ ہے)۔(اصل معاملہ یہ ہے کہ) اللہ کے رسول ﷺ سے لوگ ہٹتے نہیں تھے (یعنی آپؐ پر ہجوم کر لیتے تھے) پس آپؐ نے اونٹ پر طواف کیا تا کہ لوگ آپؐ کی بات اچھی طرح سن سکیں اور ان کے ہاتھ آپ تک نہ پہنچ سکیں''۔

بعض اوقات صحابہ ؓ میں بھی اس امر میں اختلاف ہو جاتا تھا کہ حج کے دوران آپؐ کا فلاں فعل ((خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ)) کا بیان یعنی وضاحت ہے یا امور عادیہ میں سے ہے۔مثلاً بعض صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ وغیرہ حج کے موقع پر وادی 'مُحَصَّب' یعنی مقام 'ابطح' میں قیام کرتے تھے۔(١٣٤) اور اس قیام کو یہ صحابہؓ حج کی سنن میں سے شمار کرتے تھے' کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی حج کے دوران اس جگہ قیام کیا تھا۔لیکن حضرت عائشہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس جگہ آپؐ کے قیام کو اُمورِ عادیہ میں سے شمار کرتے تھے اور اس کو سنت نہیں سمجھتے تھے۔جیسا کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

كَانَ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ' اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَنَّهٗ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ (١٣٥)

''مقام 'ابطح' میں قیام سنت نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ قیام اس لیے کیا تھا کہ آپ کے لیے اس مقام سے نکلنے میں آسانی تھی''۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) اور ((خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ)) کے بیان میں بھی آپؐ کے تمام افعال ایک درجے کے نہیں ہیں۔بعض افعال ان میں سے فرائض کے درجے کے ہیں اور بعض سنن کے درجے کے ہیں۔مثلاً وادی 'مُحَصَّب' کا قیام اگر بعض صحابہؓ نے کیا بھی ہے تو اس کو فرض یا واجب سمجھ کر نہیں بلکہ مستحب سمجھ کر کیا ہے اور معروف مذاہب میں سے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے ہاں یہ قیام حج کے فرائض یا واجبات میں سے نہیں ہے۔شوافع اور مالکیہ کے نزدیک یہ مستحب ہے جبکہ باقی فقہاء کے نزدیک مستحب بھی نہیں ہے۔اسی طرح نماز میں سورۃ الفاتحہ سے پہلے 'بسم اللّٰہ' پڑھنے کو کسی بھی فقیہہ نے فرض قرار نہیں دیا' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں 'بسم اللّٰہ' پڑھی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جن فرائض میں صرف فرض کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے اور اس کے طریقے کو لازم نہیں کیا گیا تو اس کا طریقہ بیان میں شامل نہیں ہے اور یہ عموماً ایسے فرائض میں ہے جن کی ادائیگی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے میں حالات و زمانے کی تبدیلی کو بہت زیادہ عمل دخل حاصل تھا‘ جیسا کہ جہاد و قتال اور اعلائے کلمۃ اللہ کا معاملہ ہے۔ اقامت دین ایک دینی فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی کا طریقہ سنت نبوی سے ملتا ہے تو کیا اس فریضے کی ادائیگی میں آپ کا ہر ہر فعل فرض کے درجے میں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے فریضے کی ادائیگی کے دوران آپ ﷺ سے صادر ہونے والے متعدد افعال بھی اُن اُمورِ عادیہ سے تعلق رکھتے ہیں‘ جنہیں آپ ؐ نے کسی ضرورت کے تحت کیا نہ کہ بطور تشریع کے کیا ہے‘ جیسا کہ آپ ﷺ نے نماز میں امامہ بنت زینب کو اٹھایا یا اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا تو یہ نماز یا حج کے فریضے کا بیان یعنی وضاحت نہیں ہے بلکہ یہ اُمورِ عادیہ ہیں۔ اسی طرح اقامت دین کے فریضے کی ادائیگی میں آپ ﷺ کا ہجرت کرنا‘ یہودیوں سے معاہدہ کرنا (میثاق مدینہ)‘ مشرکین سے صلح کرنا (صلح حدیبیہ)‘ اپنے دفاع کے لیے خندق کھودنا‘ منافقین مثلاً عبداللہ بن اُبی وغیرہ کو قتل نہ کرنا‘ باوجودیکہ ان کا کفر مشرکین مکہ کے کفر سے بڑھ کر تھا اور ان کے دائمی جہنمی ہونے کی وعید قرآن نے سنا دی تھی وغیرہ‘ یہ ضرورتاً‘ مصلحتاً اور عادتاً تھا نہ کہ یہ اقامت دین کے فریضے کے طریقے کی ادائیگی کا بیان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب چند ایک مواقع پر بعض صحابہؓ نے بعض منافقین کو قتل کرنے کی دربارِ رسالت سے اجازت چاہی تو آپ ؐ نے یہ نہیں کہا کہ یہ مسلمان ہیں اور ان کا خون بہانا ہم پر حرام ہے‘ بلکہ آپ ؐ نے جواباً یہ فرمایا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے؟ اقامت دین کے طریقے کے لزوم کے بارے میں ہم مضمون کے شروع میں بھی کچھ بحث کر چکے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی امر استحباب یا اباحت کے درجے میں ہوگا تو اس امر کا بیان جب رسول اللہ ﷺ اپنے کسی فعل سے کریں گے تو آپ کی ایسی سنت بھی مستحب یا مباح کا درجہ رکھے گی‘ جیسا کہ علامہ آمدیؒ نے ’الاحکام فی اُصول الاحکام‘ میں لکھا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے حکم دیا: ((اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَاْ بِالْیَمِیْنِ)) (۱۳۶) یعنی جب تم میں کوئی جوتا پہنے تو پہلے دایاں جوتا پہنے۔ اب یہ حکم استحباب کے لیے ہے لہٰذا اس امر کا بیان یعنی وضاحت جب آپ ؐ کے فعل سے ہوگی تو آپ ؐ کا وہ فعل بھی مستحب ہوگا۔ علامہ آمدیؒ نے اس ساری بحث کو مختصر انداز میں یوں بیان کیا ہے:

> **واما ما عرف كون فعله بيانا لنا فهو دليل من غير خلاف فذلك إما لصريح مقاله كقوله صلوا كما رأيتموني أصلي و خذوا عنى مناسككم أو بقرائن الأحوال و ذلك كما إذا ورد لفظ مجمل أو عام أريد به الخصوص أو مطلق أريد به التقييد و لم يبينه قبل الحاجة إليه ثم فعل عند الحاجة فعلا صالحا للبيان فإنه يكون بيانا حتى لا يكون مؤخرا للبيان عن وقت الحاجة وذلك كقطعة يد السارق من الكوع بيانا لقوله تعالى فاقطعوا أيديهما و كتيممه إلى المرفقين بيانا لقوله فامسحوا بوجوهكم و أيديكم و نحوه والبيان تابع للمبين في الوجوب والندب و الإباحة**(۱۳۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''آپ ﷺ کا وہ فعل جو ہمارے لیے بیان یعنی وضاحت ہوگا' وہ ہمارے حق میں دلیل ہوگا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کا ایسا فعل یا تو آپؐ کے کسی صریح حکم کی وجہ سے ہمارے لیے بیان ہوتے ہوئے حجت ہوگا' جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسے تم بھی نماز پڑھو'' اور آپؐ کا فرمان ہے: ''مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو''۔ یا پھر آپ ﷺ کا فعل قرائن و احوال کی وجہ سے بیان ہوگا جیسا کہ کوئی لفظ عام تھا لیکن اس سے مراد خاص تھی یا لفظ مطلق تھا لیکن اس سے مراد مقید تھی اور آپؐ نے اس لفظ کی مراد کو ضرورت سے پہلے واضح نہیں کیا تھا' پھر جب ضرورت پڑی تو آپؐ نے کوئی کام کیا جو کہ بیان بننے کی صلاحیت رکھتا تھا' لہٰذا آپ کا وہ فعل بیان ہوگا اور آپؐ اس بیان کو ضرورت کے وقت سے زیادہ مؤخر کرنے والے نہ ہوں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹنا' اللہ کے حکم ''پس تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹو'' کا بیان ہے۔ اسی طرح آپ کا کہنیوں تک تیمم کرنا اللہ کے حکم ''پس تم اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لو'' کا بیان ہے' اور اسی طرح اور بھی آیات ہیں۔ اور بیان وجوب' ندب اور اباحت میں مبیّن کے تابع ہے''۔

عربی زبان میں 'ید' کا لفظ انگلیوں سے لے کے کندھے تک بولا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے فعل سے قرآن کے دونوں مقامات پر لفظ 'ید' کی وضاحت کی ہے اور آپؐ کی یہ عملی وضاحت ان آیات کا بیان ہے۔

(۵) فعلِ متردّد

بعض اوقات آپ کا فعل اُمورِ شرعیہ سے متعلق ہوتا ہے لیکن آپؐ کے اس فعل کے بارے میں یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ وہ قرآن کے کسی حکم یا آپؐ کی ہی کسی قولی سنت کا بیان ہے یا نہیں ہے۔ اگر دلائل وقرائن سے یہ بات واضح ہو جائے کہ آپؐ نے یہ کام تقرب اِلی اللہ کی نیت سے کیا ہے تو پھر آپؐ کے ایسے فعل کا کیا حکم ہے' اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ علامہ آمدیؒ اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما ما لم يقترن به ما يدل على أنه للبيان لا نفيا و لا إثباتا فأما أن يظهر فيه قصد القربة فقد اختلفوا فيه فمنهم من قال أن فعله عليه السلام محمول على الوجوب فى حقه و فى حقنا كابن سريج و الأصطخرى وابن أبى هريرة وابن خيزان والحنابلة وجماعة من المعتزلة ومنهم من صار إلى أنه للندب وقد قيل أنه للشافعي وهو اختيار إمام الحرمين و منهم من قال إنه للإباحة و هو مذهب مالك ومنهم من قال بالوقف و هومذهب جماعة من أصحاب الشافعي كالسيرفى والغزالى وجماعة من المعتزلة... والمختارأن كل لم يقترن به دليل يدل على أنه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصد به بیان خطاب سابق فإن ظهر فیه قصد القربة إلی الله تعالی فهو دلیل فی حقه السلام علی القدر المشترك بین الواجب و المندوب وهو ترجیح الفعل علی الترك لا غیر و إن الإباحة وھی استواء الفعل والترك فی رفع الحرج خارجة عنه و کذلك عن أمته (۱۳۸)

''اور آپ ﷺ کے وہ افعال جن کے بارے میں نفی یا اثبات میں کوئی دلیل ایسی موجود نہ ہو کہ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ بیان ہیں یا نہیں تو ایسے افعال کی دو قسمیں ہیں ۔ (پہلی قسم تو یہ ہے کہ) آپؐ نے اپنے اس فعل کے ذریعے اللہ کے قرب کا ارادہ کیا ہو۔ آپؐ کے ایسے افعال (یعنی جو بیان نہیں ہیں لیکن آپ ﷺ نے ان کو تقرب الی اللہ کے لیے کیا ہے) کی شرعی حیثیت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن سریجؒ ' اصطخریؒ ' ابن ابی ہریرہ' ابن خیزانؒ حنابلہ اور معتزلہ کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ایسے افعال آپؐ اور اُمت دونوں کے لیے وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔ علماء کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کے ایسے افعال مندوب ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا موقف ہے' امام الحرمین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کے ایسے افعال مباح ہیں اور چوتھا توقف کا ہے' اس کو شوافع کی ایک جماعت امام سیرفیؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور معتزلہ کی ایک جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے... ان اقوال کے بالمقابل بہترین قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وہ افعال جن کے کسی سابق خطاب کے بیان ہونے پر کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے اور آپؐ نے ان افعال کے ذریعے اللہ کے قرب کا قصد کیا ہے تو آپؐ کے ایسے افعال آپؐ کے حق میں واجب ہوں گے یا مندوب' اور یہ ترکِ فعل پر فعل کو ترجیح دینا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اباحت جو کہ رفع حرج کے لیے کسی کام کو کرنے اور نہ کرنے کے درمیان برابری کا نام ہے' آپؐ اور آپؐ کی اُمت دونوں سے خارج ہے''۔

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی نے بھی 'اصول الفقہ الاسلامی' میں علامہ آمدی کے اس موقف کو ترجیح دی ہے کہ آپؐ کے وہ افعال جن میں آپؐ نے تقرب اِلی اللہ کی نیت کی ہے وہ اُمت کے حق میں واجب ہوں گے یا مندوب ہوں گے' نہ کہ مباح' چاہے آپؐ کا وہ فعل بظاہر کسی اَمر کا بیان یعنی وضاحت نہ بھی معلوم ہوتا ہو۔ علامہ آمدیؒ نے باقی اقوال کے قائلین کے دلائل کا بیان اور ان کا کافی وشافی رد اپنی کتاب 'الاحکام' میں کر دیا ہے' تفصیل کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

(٦) فعل برائے بیانِ جواز

بعض اوقات آپ ﷺ کا فعل امور شرعیہ سے متعلق ہوتا ہے لیکن اس فعل سے آپؐ کا مقصود صرف یہ بتلانا ہوتا ہے کہ یہ کام جائز ہے نہ کہ آپؐ اس فعل کو ثواب کی نیت یا درجات کی بلندی کے لیے کرتے ہیں۔ مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ غَيْرِ حُلْمٍ ثُمَّ يَصُوْمُ (۱۳۹)

''اللہ کے رسول ﷺ صبح اس حال میں کرتے تھے کہ آپؐ جنبی ہوتے تھے اور آپ کی یہ جنابت احتلام سے نہ ہوتی تھی۔ پھر آپؐ اسی حالت میں (بغیر غسل کیے) روزہ رکھ لیتے تھے''۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حالت جنابت میں روزہ رکھنا ایک ایسی سنت ہے جو کہ باعث اجر وثواب ہے اور اس سے آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں تو بلاشبہ یہ شخص غلطی پر ہے۔ شارحین حدیث نے اس حدیث کی تشریح میں اس عمل کو جائز قرار دیا ہے' نہ کہ مستحب کہا ہے۔ مستحب یہی ہے کہ انسان کو اگر غسل کی حاجت ہو تو طلوع فجر سے پہلے غسل کر لے۔ اور اگر کسی وجہ سے طلوع فجر سے پہلے غسل نہ کر سکا تو اب سحری کھا کر روزہ رکھے اور طلوع فجر کے بعد غسل کر لے۔ آپ ﷺ کا یہ فعل امت کے لیے آسانی پیدا کرنے اور ایک جائز شرعی امر بتلانے کے لیے تھا نہ کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ یا عبادت کا کوئی طریقہ بتلانا آپؐ کا مقصود تھا۔ یہ واضح رہے کہ مباح کو اصولیین نے حکم شرعی کی ایک قسم قرار دیا ہے' لیکن مباح کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ یہ وہ فعل ہے کہ جس کے کرنے اور نہ کرنے پر کوئی اجر وثواب یا سزا وعذاب نہیں ہوتا ہے۔ علامہ آمدیؒ نے آپؐ کے ایسے افعال کو اس اصول کے تحت بیان کیا ہے:

وأما ما لم يظهر فيه قصد القربة فقد اختلفوا أيضا فيه على نحو اختلافهم فيما ظهر فيه قصد القربة غير أن القول بالوجوب و الندب فيه أبعد مما ظهر فيه قصد القربة والوقف و الاباحة أقرب...... والمختار ان كل لم يقترن به دليل يدل على أنه قصد به بيان خطاب سابق فإن ظهر فيه قصد القربة إلى الله تعالى فهو دليل فى حقه السلام على القدر المشترك بين الواجب و المندوب وهو ترجيح الفعل على الترك لا غير وإن الإباحة وهى استواء الفعل والترك فى رفع الحرج خارجة عنه و كذلك عن أمته وما لم يظهر فيه قصد القربة فهو دليل فى حقه على القدر المشترك بين الواجب والمندوب و المباح وهو رفع الحرج عن الفعل لا غير و كذلك عن أمته (۱۴۰)

''اور آپ ﷺ کے وہ افعال جن میں آپؐ نے تقرب الی اللہ کا قصد نہ کیا ہے تو ان افعال کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ آپؐ کے افعال کی اس قسم میں وجوب اور استحباب کا قول بعید ہے اس قسم کی نسبت سے کہ جس میں آپؐ نے تقرب الی اللہ کا قصد کیا ہے۔ جبکہ اباحت اور وقف کا قول زیادہ صحیح ہے...اور بہترین قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وہ افعال جن کے کسی سابق خطاب کے بیان ہونے پر کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے اور آپؐ نے ان افعال کے ذریعے اللہ کے قرب کا قصد کیا ہے تو آپؐ کے ایسے افعال آپ ﷺ کے حق میں واجب ہوں گے یا مندوب'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ ترکِ فعل پر فعل کو ترجیح دینا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اباحت جو کہ رفع حرج کے لیے کسی کام کو کرنے اور نہ کرنے کے درمیان برابری کا نام ہے' آپؐ اور آپؐ کی اُمت دونوں سے خارج ہے۔ اور جن افعال میں آپ ﷺ نے تقرب الی اللہ کا قصد نہیں کیا ہے وہ آپؐ کے حق میں واجب' مستحب یا مباح ہو سکتے ہیں اور یہ فعل سے حرج کو دور کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے اور اسی طرح کا حکم آپ کی اُمت کے بارے میں بھی ہے''۔

(۷) تجربہ ومشاہدہ سے متعلقہ افعال

اللہ کے رسول ﷺ کے وہ افعال جو کہ آپؐ کے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے متعلق ہیں وہ بھی ہمارے لیے ایسی سنت نہیں ہیں کہ جس کا اتباع لازم اور باعث اجر وثواب ہو۔ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

ما صدر عنه بمقتضى خبرته الانسانية فى الأمور الدنيوية' مثل: تنظيم الجيوش' و القيام بما يقتضيه تدبير الحرب' و شؤون التجارة و نحو ذلك۔ فهذه الأفعال لا تعتبر تشريعا للأمة' لأن مبناها التجربة لا الوحى' والرسول ﷺ لم يلزم المسلمين بها و لم يعتبرها من قبيل تشريع الأحكام(۱۴۱)

''اللہ کے رسول ﷺ کے وہ افعال جو کہ آپؐ سے امورِ دنیویہ میں انسانی خبروں اور تجربات سے حاصل شدہ علم کی بنا پر صادر ہوئے ہیں' مثلاً لشکروں کو منظم کرنا' جنگی معاملات کی تدبیر اور تجارت سے متعلقہ معاملات وغیرہ' تو یہ تمام افعال ایسے ہیں جو کہ اُمت کے لیے شریعت نہیں ہیں' کیونکہ آپؐ کے ان امور کی بنیاد وحی کے علم کی بجائے انسانی تجربات کے علم پر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ایسے افعال کو اُمت کے لیے لازم بھی قرار نہیں دیا ہے اور نہ ہی ان کو شرعی احکام میں شمار کیا ہے''۔

علامہ احمد العدویؒ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے افعال کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثبت فى الصحيح: أن النبى ﷺ فى يوم بدر جاء إلى أدنى ماء من بدر فنزل عنده' فقال الحباب بن المنذر: يا رسول الله أرأيت هذا المنزل' أ منزلا أنزلكه الله ليس لنا أن نتقدمه و لا نتأخر عنه' أم هو الرأى و الحرب و المكيدة؟ قال: بل هو الرأى و الحرب و المكيدة۔ فقال: يا رسول الله ليس هذا المنزل' فانهض بالناس نأتى أدنى ماء من القوم فننزله' ثم نغور ما وراءه إلخ ما قال' فقال له النبى ﷺ: لقد أشرت بالرأى و عمل برأيه' و هذا يدل على أن محض الفعل لا يفيد أنه قربة۔ ووجه الدلالة أن الصحابة لا يرون أن كل فعل للنبى ﷺ عن وحى من الله تعالى' بل منه ما هو مستند إلى وحى كالفعل الذى يظهر فيه قصد القربة'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومنه ما هو مبنی علی رأی و اجتهاد، ولذلك سأل الحباب بن المنذر بجمع من الصحابة عن المنزل الذی نزل النبیﷺ هل النزول فیه عن وحی حتی یذعنوا له، أو عن رأی و اجتهاد حتی یشارکوه فیه.....ولو کان فعل الرسول لا یکون إلا عن وحی ما کان لذلك السؤال وجه، وما صح منه موافقتهم و ترك الوحی(۱۴۲)

''صحیح روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بدر والے دن بدر کے میدان میں 'عدوۃ دنیا' کے قریب پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب بن منذرؓ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہاں پر پڑاؤ ڈالنا آپؐ کی ذاتی رائے ہے' یا آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں قیام کا حکم دیا ہے اور ہمارے لیے اس مقام سے آگے یا پیچھے ہونا جائز نہیں ہے' یا یہ کوئی جنگی چال اور تدبیر وغیرہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک جنگی چال اور تدبیر ہے۔ حضرت حبابؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! پھر یہ ہمارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے' بلکہ آپ لوگوں کو اٹھائیں' ہم مشرکین مکہ کے سب سے قریبی پانی کے پاس پڑاؤ ڈالتے ہیں تاکہ ہم مشرکین اور ان کے پانی کے درمیان حائل ہو جائیں ...آپ نے ان کی بات سن کر کہا: حبابؓ نے اچھی رائے دی ہے اور پھر آپؐ نے ان کی رائے پر عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا محض فعل اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپؐ نے وہ کام تقرب الی اللہ کے لیے کیا ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ ؓ آپؐ کے ہر فعل کو وحی نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپؐ کے بعض افعال وحی پر مبنی ہوتے تھے مثلاً وہ افعال کہ جن میں آپؐ نے اللہ کے قرب کا قصد کیا ہے اور بعض افعال آپؐ کا اجتہاد اور ذاتی رائے ہوتی تھی۔ اسی لیے حضرت حبابؓ نے صحابہؓ کی موجودگی میں آپؐ سے یہ سوال کیا تھا کہ آپؐ کا اس جگہ پڑاؤ ڈالنا وحی کی وجہ سے تھا کہ جس پر انہیں سر تسلیم خم کر دینا چاہیے یا آپؐ کی ذاتی رائے اور اجتہاد تھا کہ جس میں صحابہؓ بھی آپؐ کو مشورہ دے سکتے تھے ...اگر اللہ کے رسول ﷺ کا ہر فعل وحی ہوتا تو صحابیؓ کبھی بھی یہ سوال نہ کرتا اور نہ ہی آپ وحی کو چھوڑ کر ایک صحابیؓ کی رائے پر عمل کرتے''۔

یہ واضح رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اجتہاد کو اگر اللہ کی تصویب حاصل ہو جائے تو پھر وہ وحی بن جاتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے کسی دینی مسئلے میں اجتہاد کیا' اب اللہ کی طرف سے آپؐ کے اس اجتہاد پر خاموشی ہے تو آپ کا یہ اجتہاد اللہ کی تقریر کہلائے گا اور وحی الٰہی ہوگا۔

ابن العربیؒ نے 'احکام القرآن' میں اس روایت کو 'ثابت' کہا ہے۔(۱۴۳) جبکہ علامہ البانیؒ نے اسے 'فقہ السیرۃ' میں 'ضعیف' کہا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت بطور حدیث ضعیف ہے کیونکہ حدیث کی جانچ پڑتال کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی لیکن سیرت کے ایک واقعے کے طور پر ثابت ہے جیسا کہ امام ابن کثیرؒ نے بھی اس کو قابل استدلال قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۸) افعالِ مختلفہ یا متنوعہ

بعض اوقات ایک ہی مسئلے میں آپؐ سے دو یا دو سے زائد افعال مروی ہوتے ہیں جبکہ کوئی امتی ان میں سے صرف ایک فعل کو سنت سمجھ رہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں طرف سے پھرتے ہوئے صحابہؓ کی طرف رخ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَنْصَرِفُ عَنْ یَمِیْنِہٖ(۱۴۴)

''اللہ کے نبی ﷺ (فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں طرف پھرتے تھے''۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے:

لَا یَجْعَلَنَّ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ مِنْ نَفْسِہٖ جُزْءًا لَا یَرٰی اِلَّا اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَا یَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَمِیْنِہٖ' اَکْثَرُ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَنْصَرِفُ عَنْ شِمَالِہٖ(۱۴۵)

''تم میں کوئی ایک اپنے نفس میں شیطان کا کوئی حصہ اس طرح مقرر نہ کرلے کہ وہ اپنے اوپر یہ لازم ٹھہرالے کہ وہ نماز کے بعد دائیں طرف سے ہی پھرے۔ میں نے (نماز کے بعد) اکثر و بیشتر اللہ کے رسول ﷺ کو بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا ہے''۔

دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے' بلکہ ہر صحابیؓ نے اپنے مشاہدے کو بیان کیا ہے' لہٰذا فرض نماز سے فارغ ہو کر دائیں اور بائیں دونوں طرف سے پھرنا سنت ہے اور صرف دائیں پھرنے کو ہی سنت سمجھتے ہوئے اس پر لزوم اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا وَیُصَلِّیْ حَافِیًا وَمُنْتَعِلًا وَیَنْصَرِفُ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ(۱۴۶)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پانی پیتے دیکھا ہے اور آپؐ کو جوتے پہن کر اور اُتار کر نماز پڑھتے دیکھا ہے اور آپؐ کو نماز کے بعد دائیں اور بائیں پھرتے دیکھا ہے''۔

علامہ البانیؒ نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہی معروف ہے کہ بیٹھ کر ہی پانی پینا چاہیے اور یہی سنت ہے' لیکن یہ درست نہیں ہے۔ حضرت نزال بن سبرہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کوفہ میں ایک مقام پر کھڑے ہو کر پانی پیا اور کہا:

اِنَّ نَاسًا یَکْرَہُ اَحَدُھُمْ اَنْ یَشْرَبَ وَھُوَ قَائِمٌ وَاِنِّیْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَعَلَ کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ فَعَلْتُ(۱۴۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''بعض لوگ کھڑا ہو کر پانی پینے کو مکروہ (ناپسندیدہ) سمجھتے ہیں' جبکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے جیسا کہ میں نے کیا ہے''۔

اسی طرح 'موطأ' میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے' جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح کا عمل حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی 'موطأ' میں مروی ہے۔(۱۴۸)

بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ ہم صحابہؓ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں کھڑے کھڑے اور چلتے پھرتے کھانا بھی کھا لیتے تھے' جبکہ آج کل اس فعل کو مغربی تہذیب کی نقالی کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا نَاكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَمْشِيْ وَنَحْنُ قِيَامٌ(۱۴۹)

''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں چلتے چلتے اور کھڑے کھڑے کھا پی لیتے تھے''۔

علامہ البانیؒ نے اس روایت کو 'صحیح' کہا ہے(۱۵۰) جبکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے 'حسن' قرار دیا ہے(۱۵۱)۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس کو 'صحیح' کہا ہے۔(۱۵۲)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جن روایات میں اللہ کے رسول ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا ہے یا ڈانٹا ہے یا قے کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے احادیث میں ترجیح کا طریقہ کار اختیار کیا اور یہ کہا کہ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کا بیان ہے وہ ان احادیث کے مقابلے میں سند کے اعتبار سے راجح ہیں جن میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا گیا ہے۔ امام ابوبکر الأثرم کا یہی قول ہے۔ بعض علماء نے ان احادیث کے بظاہر تعارض کو حل کرنے کے لیے نسخ کا قول اختیار کیا ہے۔ امام ابن شاہینؒ کے مطابق نہی والی احادیث صحیح ہونے کے باوجود منسوخ ہیں جبکہ امام ابن حزمؒ نے جواز والی احادیث کو منسوخ کہا ہے۔ بعض علماء نے دونوں احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے' لہٰذا علماء کے ایک گروہ کے نزدیک نہی والی احادیث میں نہی کراہت تنزیہی کے لیے ہے' لہٰذا کھڑے ہو کر پانی پینا جائز امر ہے' کیونکہ مکروہ کا ارتکاب باعث گناہ نہیں ہے۔ یہ رائے امام خطابی' امام طحاوی' امام ابن جریر طبری' امام نووی' علامہ ابن حجر عسقلانی اور ابن بطال رحمہم اللہ وغیرہ کی ہے۔ علماء کے دوسرے گروہ کی جمع کے مطابق جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کا جواز ہے وہ عذر کے سبب سے ہے۔ یہ امام ابن تیمیہؒ کی رائے ہے۔ تیسرے گروہ کی جمع کے مطابق نہی والی روایات میں نہی کسی شرعی حکم کے طور پر وارد نہیں ہوئی بلکہ آپؐ نے طبی نقطہ نظر سے کھڑے ہو کر پانی پینے کو نقصان دہ سمجھتے ہوئے اس طرح پانی پینے سے منع کیا تھا۔ سوائے امام ابن تیمیہؒ کے قول کے ان تمام اقوال کو امام ابن حجرؒ نے 'فتح الباری' میں نقل کیا ہے۔ امام صاحبؒ کا قول 'مجموع الفتاویٰ' میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے نزدیک یہ آخری رائے درست ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خاص طور پر خلفائے راشدین اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کھڑے ہو کر پانی پینا یہ واضح کرتا ہے کہ امام ابن حزمؒ کا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہؓ بھی کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے' لہٰذا عذر والا قول درست نہیں ہے' کیونکہ عذر تو کبھی کبھی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ کی روایات سے کراہت والے قول کا غلط ہونا بھی واضح ہوتا ہے' کیونکہ حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کھڑے ہو کر پانی پیا کہ لوگ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں' یعنی ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ مکروہ یا دین میں ناپسندیدہ چیز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ نے بغیر کسی عذر کے کھڑے ہو کر پانی پیا تھا۔ امام ابوبکر الاثرمؒ کے نزدیک جواز والی احادیث راجح جبکہ نہی والی مرجوح ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ مرجوح حدیث پر عمل نہیں ہوتا' لیکن صحابہؓ نے نہی والی احادیث پر بھی عمل کیا ہے۔ یہی معاملہ امام ابن شاہینؒ کے اس دعویٰ کا ہے کہ نہی والی احادیث منسوخ ہیں' جبکہ صحابہؓ نے آپؐ کی وفات کے بعد نہی والی روایات پر بھی عمل کیا ہے۔ اس لیے 'موطأ' میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ سے مروی ہے کہ وہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ پس بظاہر یہی قول درست معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے شرعی حکم کے طور پر منع نہیں کیا بلکہ اس کے بعض طبی نقصانات کی وجہ سے اُمت کو اس طرح پانی پینے سے سختی سے منع فرمایا جیسا کہ ایک باپ بعض اوقات اپنے بیٹے کو کسی دنیاوی معاملے میں نقصان سے بچانے کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کے انداز میں کوئی حکم جاری کرتا ہے اور اس میں اصل وجہ باپ کی اپنے بیٹے سے پدرانہ محبت ہوتی ہے نہ کہ کوئی شرعی حکم۔ یہی محبت آپ ﷺ کو اپنی اُمت سے بھی تھی۔ اسی طرح ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا، وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ(۱۵۳)

''اللہ کے رسول ﷺ ہر ہفتے کے دن مسجد قبا میں پیدل اور سوار دونوں طرح آتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے''۔

(۹) رسول اکرم ﷺ کی نظر میں بعض پسندیدہ افعال

بعض اوقات رسول اللہ ﷺ ایک کام بطور عبادت کرنے کا ارادہ کرتے' لیکن آپؐ وہ کام کسی سبب سے بالفعل نہیں کرتے تھے' تاہم آپؐ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپؐ وہ کام کریں۔ اس معاملے میں اگرچہ آپؐ نے ایک کام نہیں کیا لیکن جس کے کرنے کی اللہ کے رسول ﷺ نے خواہش کی تھی تو وہ کام اُمت کے لیے مستحب ہوگا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے رمضان کے مہینے میں صرف تین دن تراویح پڑھائی تھے اور چوتھے دن صحابہؓ آپ کا انتظار کرتے رہے لیکن آپؐ تراویح پڑھانے کے لیے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حجرے سے باہر تشریف نہ لائے۔ فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو بتلایا:

((فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ شَأْنُكُمُ اللَّيْلَةَ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا)) (۱۵۴)

''تمہاری رات کی کیفیت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے' لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم پر رات کی نماز (یعنی تراویح) فرض نہ کر دی جائے اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ (اور گناہ گار رہو)''۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

((فَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ)) (۱۵۵)

''اور مجھے تراویح کی نماز کے لیے اپنے حجرے سے باہر نکلنے کے لیے سوائے اس چیز کے اور کسی امر نے نہیں روکا کہ مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ تم پر فرض نہ کر دی جائے''۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صرف تین دن تراویح کی جماعت کروائی ہے' باقی دنوں میں آپؐ اور صحابہؓ نے تراویح کی نماز انفرادی طور پر پڑھی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات تک معاملہ اسی طرح رہا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی سنت تو صرف تین دن جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنا ہے تو وہ غلطی پر ہے' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ مکمل رمضان میں تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا زیادہ افضل یہ ہے کہ تمام رمضان میں تراویح کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں عبدالرحمٰن بن عبد القاریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں گیا تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ صحابہؓ الگ الگ ٹکڑیوں میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ بعض صحابہؓ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے' جبکہ بعض کچھ دوسروں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو سب کو جمع کر کے ایک جماعت بنا دیا اور حضرت اُبی بن کعبؓ کو قاری مقرر کر دیا۔ اگلی رات جب حضرت عمرؓ دوبارہ مسجد میں تشریف لائے تو آپؓ نے صحابہؓ کو ایک جماعت میں نماز پڑھتے دیکھ کر کہا:

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ، وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ' يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ' وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهُ (۱۵۶)

''یہ کیا ہی خوب بدعت (یعنی نیا کام) ہے! اور جو لوگ سو رہے ہیں وہ ان قیام کرنے والوں سے افضل ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مراد وہ سونے والے لوگ تھے جو آخر رات میں قیام کرتے تھے اور عام لوگ اول وقت میں قیام کرتے تھے''۔

بعض اوقات ایسے کام کو کرنا جائز نہیں ہوتا جس کا اللہ کے رسول ﷺ نے ارادہ کیا ہو لیکن آپؐ نے اس کو بالفعل نہ کیا ہو' اور اس کا علم احوال و قرائن سے ہوتا ہے' جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں جو مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے‘ فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاۃِ فَیُؤَذَّنَ لَھَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَیْھِمْ بُیُوْتَھُمْ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُھُمْ اَنَّہٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَھِدَ الْعِشَاءَ)) (۱۵۷)

امام نوویؒ نے ’شرح مسلم‘ میں لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے والوں کو یہ سزا دینا جائز نہیں ہے‘ کیونکہ آپ ﷺ نے یہ سزا نہیں دی۔ امام نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حدیث کا سیاق یہ بتلاتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد منافقین کے بارے میں تھا‘ کیونکہ صحابہؓ سے یہ بعید ہے کہ وہ ایک یا دو ہڈیوں کو جماعت کی نماز پر ترجیح دیں۔ بعض دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فجر اور عشاء کی نماز منافقین پر بھاری ہوتی تھی اور اس روایت میں بھی عشاء کی نماز کا تذکرہ ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے حطیم کو بھی بیت اللہ میں شامل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن کچھ موانع کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس پر عمل نہ کیا۔ اُمت نے بھی آج تک اس فعل پر آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود عمل نہیں کیا ہے۔

(۱۰) افعال مبنی بر علت وسبب

بعض اوقات اللہ کے رسول ﷺ ایک کام کسی ضرورت یا سبب سے کرتے تھے‘ لہٰذا اس مسئلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے فعل کی مخالفت زیادہ افضل ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے‘ حضرت ابوطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کہا:

اَخْبِرْنِیْ عَنِ الطَّوَافِ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ رَاکِبًا اَسُنَّۃٌ ھُوَ؟ فَاِنَّ قَوْمَکَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّہٗ سُنَّۃٌ ، قَالَ صَدَقُوْا وَکَذَبُوا ، قُلْتُ وَمَا قَوْلُکَ صَدَقُوْا وَکَذَبُوْا؟ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَثُرَ عَلَیْہِ النَّاسُ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مُحَمَّدٌ ھٰذَا مُحَمَّدٌ حَتّٰی خَرَجَ الْعَوَاتِقُ مِنَ الْبُیُوْتِ، قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یُضْرَبُ النَّاسُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلَمَّا کَثُرَ عَلَیْہِ رَکِبَ وَ الْمَشْیُ وَالسَّعْیُ اَفْضَلُ (۱۵۸)

’’مجھے صفا اور مروہ کے درمیان سواری پر طواف کرنے کے بارے میں بتائیں کہ کیا وہ سنت ہے؟ بے شک آپ کی قوم کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسا کرنا سنت ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: انہوں نے سچ کہا اور جھوٹ بھی بولا۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ انہوں نے سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی بولا؟ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ پر لوگوں نے ہجوم کر لیا تھا اور یہ کہہ رہے تھے کہ یہ محمد ﷺ ہیں یہ محمد ﷺ ہیں‘ یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھروں سے باہر نکل آئیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا: لوگ آپؐ کے سامنے ہجوم نہیں کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے آپؐ پر اکٹھ کرلیا تو آپؐ نے سوار ہو کر سعی کی، جبکہ پیدل سعی کرنا زیادہ افضل ہے''۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وھذا الذی قالہ ابن عباس مجمع علیہ اجمعوا علی أن الرکوب فی السعی بین الصفا والمروۃ جائز وإن المشی افضل منہ إلا لعذر و اللّٰہ أعلم(۱۵۹)

''اور جو بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہی ہے اس پر اجماع ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی کے دوران سوار ہونا جائز ہے لیکن پیدل چلنا زیادہ افضل ہے، سوائے اس کے کہ کوئی عذر لاحق ہو''۔

(۱۱) مقصد سے مربوط فعل

بعض اوقات اللہ کے رسول ﷺ کے ایک فعل میں اصلاً مقصود وہ فعل نہیں ہوتا بلکہ اس فعل سے حاصل ہونے والا نتیجہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ مسواک کرنا آپ ﷺ کی سنت ہے اور اس سنت کا مقصود منہ کی صفائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلسِّوَاکُ مَطْھَرَۃٌ لِلْفَمِ مَرْضَاۃٌ لِلرَّبِّ))(۱۶۰)

''مسواک کرنا منہ کی صفائی کا ذریعہ ہے اور ربّ کی رضا ہے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک کی سنت میں اصل حکمت طہارت ہے نہ کہ دانتوں پر کوئی لکڑی پھیرنا۔ امام طیبیؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مسواک کی حکمت منہ کی صفائی ہے اور پھر منہ کی صفائی کو اللہ کی رضا قرار دیا گیا ہے۔ مسواک عربی زبان کے اعتبار سے اسم آلہ کا وزن بنتا ہے اور اس کا معنی 'مَا یُستاكُ بِہٖ' ہے، یعنی جس کے ذریعے کسی چیز کو رگڑا جائے یا مَلا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں مسواک لکڑی ہی کی ہوتی تھی اور مسواک میں سب سے افضل پیلو کی مسواک ہے، جیسا کہ صحیح روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

کُنْتُ اَجْتَنِیْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ سِوَاکًا مِنَ الْاَرَاکِ(۱۶۱)

''میں اللہ کے رسول ﷺ کے لیے پیلو کی مسواک چنا کرتا تھا''۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحات میں آپ ﷺ نے کھجور کی تازہ شاخ کو مسواک کے طور پر استعمال کیا تھا جبکہ آپ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ بعض علماء نے زیتون کی مسواک کو بھی اس کے درخت کے بابرکت ہونے کی وجہ سے افضل کہا ہے لیکن زیتون کی مسواک کی فضیلت میں وارد شدہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انگلی کے دانتوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھیرنے سے مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے؟ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انگلی اگر نرم ہے یعنی اس سے کسی قدر دانتوں کی صفائی ممکن نہیں ہے تو یہ سنت ادا نہ ہو گی' لیکن اگر انگلی سخت اور کھردری ہے تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف' مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کے نزدیک اس سے سنت ادا ہو جائے گی جبکہ شوافع اور حنابلہ کے مشہور موقف کے مطابق سنت ادا نہ ہو گی۔ امام نوویؒ' حافظ عراقیؒ اور ابن قدامہؒ نے پہلے مسلک ہی کو ترجیح دی ہے اور ہمارے نزدیک بھی پہلا مسلک درست ہے' جس کی دلیل درج ذیل روایت ہے:

اِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْ بَنِیْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ :یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنَّکَ رَغَّبْتَنَا فِی السِّوَاکِ' فَھَلْ دُوْنَ ذٰلِکَ مِنْ شَیْءٍ؟ قَالَ : ((اِصْبَعَاکَ سِوَاکٌ عِنْدَ وُضُوْئِکَ تَمُرُّھَا عَلٰی اَسْنَانِکَ)) (۱۶۲)

''انصار میں بنو عمر بن عوف کے ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ نے ہمیں مسواک کرنے میں رغبت دلائی ہے' تو کیا مسواک کے علاوہ بھی کوئی شے کفایت کر جائے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''تمہاری انگلیاں تمہارے وضو کے وقت تمہاری مسواک ہیں' تم ان کو اپنے دانتوں پر رگڑ لیا کرو''۔

حافظ عراقیؒ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اس کے تمام رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ((یُجْزِیْ مِنَ السِّوَاکِ الْاَصَابِعُ)) یعنی انگلیاں تمہیں مسواک کے بالمقابل کفایت کریں گی' بھی ہے' جس کے بعض طرق کو ابن حجر عسقلانیؒ نے صحیح کہا ہے۔ (۱۶۳)

مسواک کا مقصد یعنی منہ کی صفائی عصر حاضر میں ٹوتھ پیسٹ اور برش وغیرہ سے بھی پورا ہو جاتا ہے تو کیا اگر کوئی شخص اس نیت سے برش کرے کہ سنت ادا ہو جائے تو اسے سنت کا ثواب ملے گا؟ علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ برش کرنے سے بھی سنت کا ثواب ملے گا بشرطیکہ سنت کی ادائیگی کی نیت ہو۔ ڈاکٹر عبد اللہ الفقیہ لکھتے ہیں:

و أما عن السواك فالسنة أصلا أن يكون بعود الأراك اللين نظرا لأنه أكثر انفاء و ملائمة للفم و أطيب ريحا۔ أما إذا حصل الانفاء بغيره أو وجد ما هو أبلغ فی الانفاء' فمن نظر إلی ان المقصود الانفاء فانه يكتفی بالفرشاة و المعجون۔ ومن نظر إلی أن الأمر تعبدی' وأن السنة لا تحصل إلا بالعود فانه يجعل السواك بالعود سنة۔ ولعل الراجح ان شاء اللّٰه تعالی أن الفرشاة و المعجون تحصل بهما السنة لأن تنظيفهما للفم وتطهيرهما أبلغ من تطهير وتنظيف العود۔ وقد قال بعض أهل العلم بحصول السنة بالسواك بالإصبع و الخرقة (۱۶٤)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''جہاں تک مسواک کا معاملہ ہے تو اصل سنت یہی ہے کہ وہ پیلو کی نرم لکڑی کی ہونی چاہیے کیونکہ اس سے منہ کی بدبو اچھی طرح دور ہوتی ہے اور وہ ملائم بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی منہ کی صفائی حاصل ہو جائے یا کوئی اور چیز مسواک سے بھی زیادہ اچھی طرح منہ صاف کرنے والی ہو تو جن علماء نے مقصود کو دیکھا تو ان کے نزدیک پیسٹ اور برش وغیرہ بھی مسواک کی جگہ کفایت کرتے ہیں؛ اور جن علماء نے مسواک کو تعبدی امور میں شمار کیا ہے تو ان کے نزدیک سنت صرف لکڑی کے استعمال میں ہے' لہٰذا ان کے نزدیک لکڑی استعمال کرنا ہی سنت ہے۔ اور راجح مسلک ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پیسٹ اور برش وغیرہ سے بھی سنت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں لکڑی سے زیادہ اچھی طرح منہ کو صاف اور پاک کرنے والے ہیں۔ بعض سلف صالحین کے نزدیک انگلی اور پرانے کپڑے کو رگڑنے سے بھی مسواک کی سنت حاصل ہو جاتی ہے''۔

اب تو ایسے ٹوتھ پیسٹ بھی آ گئے ہیں جو کہ مسواک کے قدرتی اجزا پر مشتمل ہیں جیسا کہ دبئی سے ''سواک'' کے نام سے مسواک کے قدرتی اجزاء پر مشتمل ایک ٹوتھ پیسٹ بنایا گیا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ برش کے ساتھ ساتھ مسواک کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ مسواک کرنے کے بہت سے ایسے مواقع سنت سے ثابت ہیں جن میں برش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاۃٍ)) (١٦٥)

''مجھے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی اُمت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''۔

لہٰذا ہر نماز کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔

بعض صحیح احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب کتا تمہارے کسی برتن میں اپنا منہ ڈال دے تو تم اس برتن کو سات مرتبہ دھوؤ اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوؤ۔ اب اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا اصل مقصود برتن کی صفائی ہے اور اگر برتن کی صفائی آج کل صابون یا سَرف وغیرہ سے اچھی طرح ہوتی ہے تو ہمیں مٹی کی جگہ وہی استعمال کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی بھی صابون سے غسل نہیں کیا یا سر کے بالوں کے لیے شیمپو استعمال نہیں کیا۔ صحیح روایات میں ہے کہ جب آپؐ کے زمانے میں کسی مردے کو غسل دیا جاتا تھا تو پانی میں بیری کے پتے اور کافور (خوشبو) ملا دی جاتی تھی اور اس سے مقصود طہارت اور جسم کی صفائی تھی۔ اب یہی مقصد صابون اور شیمپو وغیرہ سے اچھی طرح حاصل ہوتا ہے تو کیا ان کا استعمال خلافِ سنت اور خباثت ہوگا؟

ایجادات سے استفادہ کی حیثیت

ایک چیز جو اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں نہیں تھی اس کو استعمال کرنا خلافِ سنت نہیں ہے۔ مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپؐ کے دور میں کرسی‘ ٹیبل‘ چمچ‘ گاڑی‘ لاؤڈ اسپیکر‘ گھڑی‘ کمپیوٹر‘ پنکھا‘ اے سی‘ ریفریجریٹر‘ گیزر‘ عینک‘ ہیٹر‘ ٹیلی فون‘ موبائل‘ بجلی‘ گیس‘ جہاز‘ ریل‘ بحری جہاز‘ سکول‘ کالج‘ یونیورسٹی‘ جدید آلات حرب‘ ادویات‘ گولیاں‘ انجکشن‘ ہسپتال اور تمام میڈیکل سائنس وغیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ کوئی بھی صاحب عقل ان اشیاء کے استعمال کو خلاف سنت یا خباثت نہیں کہہ سکتا‘ سوائے اس کے کہ جو جہالت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو۔ یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ ان اشیائے جدیدہ کے وہ استعمالات جو کہ شریعتِ اسلامیہ کی صریح نصوص کے خلاف ہوں‘ یا وہ ایجادات مقاصد شریعہ کو فوت کرنے والی ہوں یعنی وہ انسان کے دین‘ جان‘ عقل‘ نسل‘ مال اور عزت کے فروغ اور حفاظت کے لیے نقصان دہ ہوں‘ ناجائز ہیں۔ اگر کرسی کا استعمال خلافِ سنت ہے تو پھر موبائل‘ بجلی‘ گیس‘ فون‘ گاڑی‘ جہاز‘ گھڑی وغیرہ سب کا استعمال بھی خلافِ سنت ہے۔ اگر اس طرح کے سطحی اصولوں کی روشنی میں سنت کے تصورات قائم کیے گئے تو ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ صحابہؓ میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں بچے گا جس نے سنت سے اختلاف نہ کیا ہو۔ اگر اس اصول کو درست مان لیا جائے تو تمام صحابہؓ (معاذ اللہ!) مخالفین سنت ہیں‘ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن 'بَیْنَ الدُّفتین' موجود نہ تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں قرآن کو ایک جگہ جمع کیا گیا‘ تو صحابہؓ نے ایک ایسا کام کیا جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا تھا۔ حضرت عثمان ؓ نے اپنے زمانے میں لوگوں کو ایک رسم الخط پر جمع کرنے کے لیے صحابہؓ سے ان کے مصاحف لے کر جلوا دیے تھے‘ یہ بھی ''خلافِ سنت'' کام تھا اور اکابر صحابہؓ نے اس کام میں حضرت عثمانؓ کی معاونت کی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن کے نہ تو تیس پارے تھے‘ نہ ۵۴۵ رکوع تھے‘ نہ احزاب تھے‘ نہ اعراب و حرکات تھیں‘ حتیٰ کہ نقطے اور رموزِ اوقاف بھی نہ تھے‘ اور یہ سب چیزیں تو خلفائے راشدین کے دور میں بھی نہ تھیں‘ بلکہ صحابہؓ کے زمانے کے بعد علماء نے ان کو قرآن پڑھنے میں سہولت و آسانی کے لیے لیے متعارف کروایا‘ یہ سب بھی ''خلافِ سنت'' ہے‘ لہٰذا آج کے دور میں طبع ہونے والے ہر قرآن کی تلاوت ''خلافِ سنت'' ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں نہ احادیث کی کتابیں تھیں‘ نہ سیرت و تاریخ کی‘ لہٰذا حدیث‘ سیرت اور تاریخ کی کتابوں کو لکھنا‘ ان کے ترجمے کرنا‘ ان ترجموں کو پڑھنا اور ان ترجموں سے علم حاصل کرنا سب خلاف سنت اور خباثت ہے‘ کیونکہ ان میں کوئی ایک فعل بھی اللہ کے رسول ﷺ یا صحابہؓ و تابعینؒ سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ المُستعان علی ما تَصِفُوْنَ۔

۞ اسی نقطۂ نظر کی یہ انتہا ہے کہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کو کالج کی تعلیم دلوانا خلافِ سنت ہے‘ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے دَور میں کالج نہیں تھے‘ جبکہ معاصر علماء اس بات کو امت مسلمہ کے لیے فرض کفایہ قرار دیتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں اتنی خواتین لیڈی ڈاکٹرز موجود ہوں جو عورتوں کے ذاتی مسائل میں کفایت کرتی ہوں۔ اگر عورتوں کا میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا خلاف سنت ہے تو ایک عورت کا ایک مرد ڈاکٹر کے سامنے جا کر اپنا ستر کھولنا کون سی سنت سے ثابت ہے؟ اس تصورِ سنت کے مطابق تو گولی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(tablet) کھانا‘ دوائی لینا‘ انجکشن لگوانا اور ڈاکٹر کے پاس جانا بھی خلافِ سنت ہونا چاہیے۔ فیا للعجب!

حق یہ ہے کہ یہ سب افعال مباحات کا دائرہ ہے جس میں انسان کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان اشیاء کو استعمال کرے یا نہ کرے۔ اور بعض اوقات تو ان جدید آلات کو اسلام کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے لیے استعمال کرنا فرضیت کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح میڈیکل سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کی تعلیم کو علماء نے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن اشرفی ایک دن دورانِ کلاس کہنے لگے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ایک دفعہ چمچ سے کھانا کھا رہے تھے تو کسی نے کہا: حضرت ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا: ہاتھ ہی سے تو کھا رہا ہوں۔

جن علماء کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دین کی گہرائی اور حکمت عطا فرمائی ہے انہیں کبھی اس مسئلے میں الجھن درپیش نہیں ہوتی کہ کیا چیز سنت ہے اور کیا خلاف سنت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کھانے پر زور دیا ہے اور چمچ سے کھاتے وقت یہ سنت پوری ہوتی ہے۔ صحیح روایات کے مطابق آپ ﷺ تین انگلیوں (یعنی انگوٹھا‘ شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی) سے کھانا کھاتے تھے‘ جیسا کہ صحیح مسلم‘ سنن ابو داؤد‘ سنن ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ یہ سنت اگرچہ ہاتھ سے بھی پوری ہوتی ہے لیکن بعض لوگوں کو اس میں مشکل ہوتی ہے۔ اب اگر یہ لوگ چمچ سے کھانا کھائیں تو یہ سنت بھی بآسانی پوری ہو جاتی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرنے سے پہلے ان کو چاٹ لینے یا چٹوا لینے کا حکم جاری کیا ہے تاکہ کھانے کی برکت ضائع نہ ہو اور یہ حکمت چمچ سے کھانے میں باحسن پوری ہوتی ہے۔ ہمارا مقصود یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگ ہاتھ سے کھانا چھوڑ دیں‘ بلکہ ہمارے نزدیک ہاتھ سے کھانا چمچ سے کھانے سے زیادہ افضل ہے‘ لیکن یہ بتانا مقصود ہے کہ چمچ سے کھانا بھی خلافِ سنت نہیں ہے اور کھانے کے تمام آداب چمچ سے کھانے میں بھی باحسن وخوبی پورے ہوتے ہیں۔

۞ اسی طرح بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ برگر وغیرہ کو کھانے کا طریقہ خلافِ سنت ہے‘ کیونکہ اس کو ہاتھ سے توڑے بغیر براہ راست منہ سے نوچ کر کھایا جاتا ہے۔ اصل سنت دائیں ہاتھ سے کھانا ہے جو کہ برگر کو کھانے میں بھی پوری ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس سیب ہے اور اس کو کاٹنے کے لیے کوئی چھری یا چاقو وغیرہ نہیں ہے تو اب یہ شخص سیب کو کیسے کھائے گا؟ کیا اس کے لیے اس حالت میں سیب کھانا ممنوع ہوگا تاکہ کفار کی مشابہت نہ ہو جائے؟ یا جائز ہوگا؟ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ انْتَھَسَ مِنْ کَتِفٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ(۱۶۶)

''اللہ کے نبی ﷺ نے شانے والی بوٹی سے گوشت نوچ کر کھایا‘ پھر آپؐ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو 'صحیح' کہا ہے۔(۱۶۷)

۞ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو وقت کا ہی کھانا ہے اور ناشتہ کرنا بدعت ہے۔ حالانکہ یہ صریح روایات کے خلاف بات ہے۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ناشتہ کرتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَاْتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ: اَعِنْدَكَ غَدَاءٌ؟ فَاَقُوْلُ: لَا' فَيَقُوْلُ: اِنِّيْ صَائِمٌ' قَالَتْ فَاَتَانِيْ يَوْمًا فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ اُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ' قَالَ: وَمَا هِيَ؟ قُلْتُ: حَيْسٌ' قَالَ: اَمَا اِنِّيْ قَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا' قَالَتْ: ثُمَّ اَكَلَ(۱۶۸)

''اللہ کے نبی ﷺ میرے پاس آتے تھے اور سوال کرتے تھے کہ کیا تمہارے پاس ناشتہ کرنے کو کچھ ہے؟ تو میں کہتی کہ نہیں ہے۔ تو آپؐ فرماتے: میں نے روزہ کی نیت کر لی ہے۔ حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ ایک دن آپؐ میرے پاس آئے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آج ہمیں کچھ ہدیہ ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا وہ حلوہ ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: میں نے صبح روزے کی نیت کی تھی۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے پھر وہ حلوہ کھا لیا''۔

امام ترمذیؒ نے اس روایت کو 'حسن' کہا ہے۔ علامہ البانیؒ نے بھی روایت کو 'حسن صحیح' کہا ہے۔(۱۶۹)

۞ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ موٹر سائیکل پر بیٹھنا خلاف سنت بلکہ دجالی تہذیب کا مظہر ہے' کیونکہ اگر عام حالات میں دو اشخاص اس طرح بیٹھے ہوں جس طرح موٹر سائیکل پر دو افراد بیٹھتے ہیں تو یہ فعل بے حیائی معلوم ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر صحابہؓ کے زمانے میں اونٹ یا گھوڑے پر دو افراد بیٹھتے تھے تو اس کا کیا طریقہ تھا؟ کیا ایک دوسرے کے کندھے پر بیٹھتے تھے؟ صحیح روایات میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بعض صحابہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا کر اونٹ پر سواری کی' مثلاً صحیحین کی ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے منیٰ واپسی کی طرف راستے میں حضرت فضل بن عباس ؓ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔(۱۷۰)

۞ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زمین پر بیٹھنا ہی سنت ہے اور کرسی پر بیٹھنا خلاف سنت اور خباثت ہے' کیونکہ آپؐ کبھی کرسی پر نہیں بیٹھے۔ ہمارے علم کی حد تک اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں یہ مروی نہیں ہے کہ آپؐ کرسی پر بیٹھے ہیں یا نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ سے ایک فعل کے مروی نہ ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپؐ نے وہ فعل کیا ہی نہیں ہے' کیونکہ عدم ذکر' عدم فعل کو مستلزم نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کرسی پیش کی گئی ہو اور آپؐ نے اس پر بیٹھنے سے انکار کیا ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ بعض صحابہؓ کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ کرسی پر بیٹھے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں' حضرت ابو وائل الاسدیؒ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جَلَسْتُ مَعَ شَيْبَةَ عَلَى الْكُرْسِيِّ فِي الْكَعْبَةِ فَقَالَ: لَقَدْ جَلَسَ هٰذَا الْمَجْلِسَ عُمَرُ(۱۷۱)

''میں حضرت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ العبدریؓ کے ساتھ خانہ کعبہ میں موجود ایک کرسی پر بیٹھا تو انہوں نے کہا: اس جگہ حضرت عمرؓ بھی بیٹھے تھے''۔

اگرچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں ایسی کرسیاں نہیں تھیں جیسی آج کل ہیں' لیکن کرسی کا تصور تاریخ انسانی میں بہت پرانا چلا آرہا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی کرسی کا ذکر ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کا بھی تذکرہ ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اوائل نبوت میں آپ ﷺ نے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو وہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ 'لسان العرب' میں کرسی کی تعریف میں لکھا ہے: **الذی نعرفه من الکرسی فی للغة الشیء الذی یعتمد علیه ویجلس علیه** یعنی کرسی کا لغت عرب میں جو معنی معروف ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر ٹیک لگائی جائے اور جس پر بیٹھا جائے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا منبر پر بیٹھنا صحیح روایات سے ثابت ہے' آپؐ کے زمانے میں اصحابِ صفہ کے لیے ایک چبوترہ تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے۔ صحیح روایات کے مطابق حضرت عائشہؓ کے پاس ایک چارپائی تھی جس پر وہ سویا کرتی تھیں اور امام بخاری تو اپنی صحیح میں 'کتاب الاستئذان' کے تحت 'باب السریر' لے کر آئے ہیں۔ ایک صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ کے پاس بھی کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی ایک چارپائی تھی جس پر بستر بھی بچھایا ہوا تھا۔(۱۷۲)

ان سب روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہؓ ہر حال میں زمین پر نہیں بیٹھے تھے' بعض اوقات آپؐ نے زمین سے بلند چیزوں مثلاً چبوترہ' منبر اور چارپائی وغیرہ کو بھی بیٹھنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بعض اوقات ایک شخص اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے ایک فعل کو خلافِ سنت یا خباثت کہہ رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ فعل سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

ایک ذاتی واقعہ

ایک دفعہ ایک جگہ راقم الحروف کو درس دینے کا اتفاق ہوا تو ایک صاحب کہنے لگے کہ ماشاء اللہ! آپ کا درس بہت عمدہ تھا لیکن اگر آپ کے کپڑے بھی سفید ہوتے تو سنت کی اتباع بھی ہو جاتی اور لوگ بھی آپ کی باتوں سے زیادہ متاثر ہوتے۔

یہ بات تو درست ہے کہ اگر واقعتاً کسی جگہ سفید لباس یا عمامہ یا ٹوپی پہن کر جانے سے کسی مدرس کے سامعین اس کی باتوں کا اثر لیں گے تو اس چیز کا لحاظ رکھنا دین کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے۔ لیکن ہم پھر یہی کہیں گے کہ اگر مقصود سامعین پر اپنی شخصیت کا اثر ڈالنا ہے تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کو توجہ سے سنیں تو آپ کے بعض سامعین ایسے بھی ہوں گے کہ عمامہ یا سفید لباس پہننے کی بجائے آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھری پیس سوٹ میں ان سے خطاب کریں گے تو آپ کی بات زیادہ توجہ سے سنیں گے اور ایک عام مولوی سمجھتے ہوئے آپ کو اجنبی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ جہاں تک دین کا معاملہ ہے تو یہ بات ثابت ہے کہ سفید لباس کو اللہ کے رسول ﷺ نے پسند کیا ہے اور اس کے پہننے کی ترغیب دی ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفید کے علاوہ رنگوں کے لباس بھی پہنتے تھے بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ ''حبرۃ'' لباس پسند تھا۔ بعض شارحین بخاری نے اس کا ترجمہ دھاری دار یمنی لباس جبکہ بعض علماء نے یمنی سبز چادر کیا ہے۔ (۱۷۳) ہوا یہ کہ سفید لباس والی روایت تو نقل ہوئی اور لوگوں میں عام بھی ہو گئی لیکن دھاری دار یا سبز کپڑوں والی روایت عام نہ ہوئی' جس سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ شاید صرف سفید لباس پہننا ہی اللہ کے رسول ﷺ کو پسند تھا۔

ضعیف وموضوع روایات کا درجہ

ضعیف اور موضوع روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی سنت ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ ایک ضعیف روایت اگر 'حسن لغیرہ' کے درجے کو پہنچ جائے تو اس سے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ثابت ہوتی ہے۔

۞ ایک صاحب ایک دفعہ دوران گفتگو فرمانے لگے کہ فجر کی نماز کے بعد سونا ممنوع ہے' آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کی دلیل یہ روایت ہے:

((اِذَا صَلَّیْتُمُ الْفَجْرَ فَلَا تَنَامُوْا عَنْ طَلَبِ اَرْزَاقِکُمْ)) (۱۷۴)

''جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کو تلاش کرنے کی بجائے سو نہ جاؤ۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت 'ضعیف' ہے۔ علامہ البانیؒ نے اس روایت کو 'ضعیف' کہا ہے (۱۷۵)۔ بعض اصحاب کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ضعیف ہے تو کیا ہے' روایت تو ہے نا؟ ضعیف کی محدثین نے سترہ کے قریب اقسام بیان کی ہیں اور ان میں سے ایک موضوع بھی ہے۔ علماء نے اس مسئلے میں مستقل کتابیں اور مقالے لکھے ہیں کہ ضعیف حدیث دینی مسائل میں حجت نہیں ہے۔ ہم یہاں پر اس کے دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنی بات کہیں گے کہ اگر یہ حضرات ضعیف حدیث کی کتابوں میں موجود ضعیف روایات کو دیکھ لیں تو ان کو احساس ہو گا کہ مطلقاً ضعیف روایات کو قبول کرنے کا اصول بنانے سے یہودیت' عیسائیت' ہندو مت اور اسلام کا ایک ملغوبہ تو وحدتِ ادیان کی شکل میں تیار ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا وہ خالص دین جو کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا' اپنی اصل حالت میں برقرار نہیں رہے گا۔ جب یہ حضرات ضعیف احادیث کو قبول کرنے کا اصول بناتے ہیں تو پھر انہیں وہ تمام ضعیف روایات بھی قبول کرنی پڑیں گی جو شرک و بدعات اور توہمات وخرافات کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قبول کر لیا جائے' تو پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ کاش! یہ حضرات ضعیف حدیث پر مبنی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیتے تو انہیں احساس ہوتا کہ ضعیف حدیث کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام پر کیسی کیسی بدعات اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ائمہ سلف نے بہت سی ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف ضعیف یا موضوع روایات کو جمع کیا گیا ہے اور ہمارے نزدیک ان کتب کی تالیف میں ضعیف و موضوع روایات سے باخبر کرنے کے علاوہ مؤلفین کے پیش نظر ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ ضعیف و موضوع روایات سے ثابت ہونے والی خرافات کی ایک تصویر پیش کی جا سکے تا کہ صحیح احادیث سے ثابت شدہ دین اسلام اور اس دینِ خرافات کے زمین و آسمان جیسے فرق کو واضح کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر متذکرہ بالا ضعیف روایت کو بطور دلیل قبول بھی کر لیا جائے تو پھر بھی اس میں فجر کے بعد سونے کی نہی نہ تو حرمت کے لیے ہے' اور نہ ہی کراہت کے لیے ہے بلکہ یہ ''ارشاد'' ہے' یعنی آپ ﷺ اپنی اُمت سے حد درجہ محبت کی وجہ سے بعض اوقات ان کے دنیاوی معاملات میں بھی ان کو کوئی بات بطور مشورہ بیان کر دیتے تھے جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا یہ حدیث بیانِ ارشاد ہے نہ کہ بیانِ شرع۔

اس ساری بحث سے ہمارا مقصود قطعاً یہ نہیں ہے ہم فجر کے بعد سونے کو پسند کرتے ہیں یا اس کے حامی ہیں' ہمارے نزدیک فجر کے بعد سونا ایک ناپسندیدہ فعل ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رات سونے کے لیے بنائی ہے نہ کہ دن' لیکن اگر کوئی شخص فجر کے بعد سونے کو سنت رسول ﷺ کی خلاف ورزی قرار دے گا تو ہمارے نزدیک یہ شخص ایک ایسی چیز کو سنت یا دین قرار دے رہا ہے جو سنت یا دین نہیں ہے' اور ایسے شخص کا رد کرنا اور دین اسلام کو اس قسم کی آلائشوں سے پاک کرنا علماء کا بنیادی فریضہ ہے' تا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت نہ ہو جو انہوں نے نہ کہی تھی اور نہ اس کو چاہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی تقاریر

تقریر سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کوئی کام ہوا ہو اور آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار کی ہو۔ آپ ﷺ کا کسی کام کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا اس کے جواز کی علامت ہے۔ محمد بن المنکدرؒ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ یَحْلِفُ بِاللّٰہِ اَنَّ ابْنَ الصَّائِدِ الدَّجَّالُ' قُلْتُ : تَحْلِفُ بِاللّٰہِ؟ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ عُمَرَ یَحْلِفُ عَلٰی ذٰلِکَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ یُنْکِرْہُ النَّبِیُّ ﷺ (۱۷۶)

''میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے کہا کیا آپ اللہ کی قسم کھا کر یہ بات کہہ رہے ہیں؟ تو حضرت جابرؓ نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے قسم کھاتے ہوئے دیکھا اور آپؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انکار نہیں کیا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ آپؐ کی تقریر کو حجت سمجھتے تھے۔ بعض اوقات صحابہؓ کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ہم آپؐ کے زمانے میں یہ کام کرتے تھے اور آپؐ کو اس علم بھی ہوتا' اگر چہ یہ کام آپؐ کے سامنے نہیں ہوا ہوتا' یہ بھی آپ ﷺ کی تقریر میں شامل ہے۔ مثلاً:

كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا(۱۷۷)

''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے اور آپؐ کو یہ بات معلوم بھی ہو گئی تھی لیکن آپ نے ہمیں منع نہیں فرمایا تھا''۔

کسی صحابیؓ یا صحابہؓ کا عمل جو انہوں نے آپ ﷺ کے زمانے میں کیا ہو' لیکن آپؐ کے سامنے نہ کیا ہو اور نہ ہی آپ کو اس کی خبر دی گئی ہو' تو کیا وہ بھی آپؐ کی تقریر میں شامل ہے؟ اس قسم کے اور مسائل میں بھی تفصیل ہے جو کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع کے حوالے سے سب سے بہترین معیار آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ خلفائے راشدین' عشرۂ مبشرہ' اصحابِ بدر' مہاجرین و انصار میں سے اکثر صحابہؓ اللہ کے رسول ﷺ کے جن جن اقوال و افعال اور تقریر و تصویب کی پیروی اہتمام سے کرتے تھے اس کے دین ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن آپ ﷺ کے جن اقوال و افعال یا تقریر و تصویب کی اتباع جمہور و جلیل القدر صحابہؓ نے نہ کی تو یہ اس بات کا بہت بڑا قرینہ ہے کہ وہ تمام افعال و اقوال یا تقریر و تصویب اُمت کے حق میں دین نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے کسی قول و فعل یا تقریر و تصویب پر جمہور و جلیل القدر صحابہؓ کا عمل تھا یا نہیں' اس کے لیے کتب احادیث' سیرت النبیؐ' سیرتِ صحابہؓ اور تاریخ کی کتب سے رہنمائی لی جا سکتی ہے۔

خلاصۂ بحث

خلاصۂ کلام یہی ہے کہ ایک عامی شخص کا محض قرآن و سنت کے تراجم سے کسی نئی فکر کا استوار کرنا یا کوئی نیا نظریہ قائم کرنا عصر حاضر کا ایک بہت بڑا فتنہ ہے جس میں کثیر لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو ایسے فتنوں سے بچائے جو اُمت کو انتشارِ ذہنی کی طرف لے کر جانے والے ہوں اور لوگوں کے دلوں میں علمائے سلف اور علم دین کی قدر اور عظمت کا احساس پیدا کرے۔ آمین!

حواشی

(۱۰۳) الوجیز' ص ۱۶۵۔

(۱۰۴) علوم الحدیث فی ضوء تطبیقات المحدثین النقاد' ص ۱۵'۱۶۔

(۱۰۵) الوجیز' ص ۱۶۵۔

(۱۰۶) الاحکام فی اصول الاحکام' جلد ۱' ص ۲۲۷' ۲۲۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۰۷) الوجیز' ص۷۴۔ (۱۰۸) مجموع الفتاویٰ' ج۱' ص۲۸۰۔
(۱۰۹) مجموع الفتاوی:جلد۱' ص۲۸۰۔ (۱۱۰) سنن البیہقی الکبریٰ' جلد۵' ص۱۵۳۔
(۱۱۱) صحیح ابی داوٗد:۱۸۷۸۔ وصحیح ابن ماجہ:۲۴۰۲۔
(۱۱۲) الالمام' ج۱' ص ۱۹۰۔ (۱۱۳) عارضۃ الاحوذی' ج۲' ص ۲۹۴۔
(۱۱۴) علامہ احمد العدوی' اصول فی البدع والسنن:ص۵۶۔
(۱۱۵) صحیح البخاری' کتاب الأطعمۃ' باب الشواء۔
(۱۱۶) صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ' باب نھی من أکل ثوما أو بصلا أو کراثا أو نحوھا......۔
(۱۱۷) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب البرانس۔
(۱۱۸) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب عقد الإزار علی القفا فی الصلاۃ۔
(۱۱۹) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب إذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیہ۔
(۱۲۰) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب الصلاۃ فی القمیص والسراویل والتبان والقباء۔
(۱۲۱) فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ: ج۱۴'ص ۴۳۔ (۱۲۲) فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ: ج۱۴' ص۴۴۔
(۱۲۳) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب الوصال......
(۱۲۴) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ' باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا۔
(۱۲۵) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب الطواف بعد الصبح والعصر۔
(۱۲۶) صحیح البخاری' کتاب الجمعۃ' باب اذا کلم وھو یصلی فاشار بیدہ واستمع۔
(۱۲۷) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ' باب لا تتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس۔
(۱۲۸) الاحکام' جلد۱' ص۲۲۸۔
(۱۲۹) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الاذان للمسافر......
(۱۳۰) صحیح الجامع الصغیر: ۷۸۸۲۔ وسنن النسائی' کتاب مناسک الحج' باب الرکوب الی الجمار......
(۱۳۱) صحیح بخاری' کتاب الصلاۃ' باب إذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ۔
(۱۳۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ' باب جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ۔
(۱۳۳) سنن البیہقی الکبریٰ' جلد۵' ص۱۵۳۔
(۱۳۴) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب النزول بالمحصب یوم النفر والصلاۃ بہ۔
(۱۳۵) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب النزول بالمحصب یوم النفر والصلاۃ بہ۔
(۱۳۶) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب ینزع نعلہ الیسریٰ' ح ۵۴۰۷۔
(۱۳۷) الإحکام' جلد۱' ص۲۲۸۔ (۱۳۸) الإحکام' جلد۱' ص۲۲۸'۲۲۹۔
(۱۳۹) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر و ھو جنب۔
(۱۴۰) الاحکام' جلد۱' ص۲۲۹۔ (۱۴۱) الوجیز:ص۱۶۵۔
(۱۴۲) اصول فی البدع و السنن:ص۵۶۔ (۱۴۳) احکام القرآن' جلد۱' ص۳۹۱۔
(۱۴۴) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال۔
(۱۴۵) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱٤٦) سنن النسائی' کتاب السھو' باب الانصراف من الصلاۃ۔
(۱٤۷) صحیح البخاری' کتاب الاشربۃ' باب الشرف قائمًا۔
(۱٤۸) موطأ مالک' کتاب الجامع' باب ما جاء فی شرب الرجل۔
(۱٤۹) سنن الترمذی' کتاب الاشربۃ عن رسول اللّٰہﷺ' باب ما جاء فی الرخصۃ فی الشرف قائمًا۔
(۱٥۰) صحیح الترمذی: ۱۸۸۰۔ (۱٥۱) ھدایۃ الرواۃ' ج٤' ص ۱۸۰۔
(۱٥۲) سنن الترمذی' کتاب الاشربۃ عن رسول اللّٰہﷺ' باب ما جاء فی الرخصۃ فی الشرف قائمًا۔
(۱٥۳) صحیح البخاری' کتاب الجمعۃ' باب من اتی مسجد قباء کل سبت۔
(۱٥٤) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح۔
(۱٥٥) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح۔
(۱٥٦) صحیح البخاری' کتاب صلاۃ التراویح' باب فضل من قام رمضان۔
(۱٥۷) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب وجوب صلاۃ الجماعۃ۔
(۱٥۸) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب الرمل فی الطواف والعمرۃ۔
(۱٥۹) شرح النووی علی صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب الرمل فی الطواف والعمرۃ۔
(۱٦۰) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب سواک الرطب والیابس للصائم۔
(۱٦۱) ارواء الغلیل' جلد۱' ص۱۰٤۔ (۱٦۲) طرح التثریب:جلد۲' ص٦۸۔
(۱٦۳) الدرایۃ' جلد۱' ص ۱۸۔ (۱٦٤) فتاویٰ' جلد۸' ص ۲۳۷۱۔
(۱٦٥) صحیح البخاری' کتاب الجمعۃ' باب السواک یوم الجمعۃ۔ وسنن الترمذی' کتاب الطھارۃ عن رسول اللّٰہﷺ' باب ما جاء فی السواک۔
(۱٦٦) مسند احمد:۲۳۹۳۔ (۱٦۷) مسند احمد' ج٥' ص ۱۳٥۔
(۱٦۸) سنن الترمذی' کتاب الصوم عن رسول اللّٰہﷺ' باب صیام المتطوع بغیر تبییت۔
(۱٦۹) صحیح الترمذی: ۷۳٤۔
(۱۷۰) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب حجۃ الوداع۔
(۱۷۱) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب کسوۃ الکعبۃ۔
(۱۷۲) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوۃ اوطاس۔
(۱۷۳) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب البرود والحبر الشملۃ۔
(۱۷٤) فیض القدیر' جلد۱' ص۳۹٤' المکتبۃ التجاریۃ الکبری' مصر۔
(۱۷٥) ضعیف الجامع:٥۷۳۔
(۱۷٦) صحیح بخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ ' باب من رأی ترک النکیر من النبیﷺ حجۃ لا من غیر الرسول۔
(۱۷۷) صحیح مسلم' کتاب النکاح ' باب حکم العزل۔

❁ ❁ ❁

© rasailojaraid.com